اصر عربی شاعری کا
یک نیا مزاحمتی رجحان

(عالمی حالات کے تناظر میں)

ڈاکٹر محمد فیضان بیگ

معاصر عربی شاعری کا ایک نیا مزاحمتی رجحان

(عالمی حالات کے تناظر میں)

ڈاکٹر محمد فیضان بیگ

نام کتاب : معاصر عربی شاعری کا نیا مزاحمتی رجحان
(عالمی حالات کے تناظر میں)

مصنف : ڈاکٹر محمد فیضان بیگ

کمپوزنگ : محمد انصر القاسمی 9358491961

اشاعت : ۲۰۱۰ء

مطبع : بھارت پریس، دہلی

قیمت : ۱۵۰ روپے

ملنے کا پتہ:

(۱) 'عریش' روڈ نمبر ۴، اقرأ کالونی، نیو سرسید نگر، علی گڑھ

(۲) مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ

Muasir Arabi Shaeri Ka Ek Naya Muzahamati Rujhan
(Alami Halat Ke Tanazur Men)
By
Dr. Mohd. Faizan Beg
Edition - 2010
Price Rs. 150/-

تقریظ

عربی کا جدید دور، عرب ادب کی تاریخ میں بہت اہم سمجھا جاتا ہے۔ عربی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عربی جب سے جانی گئی اس وقت سے آج تک اس کا شمار زندہ زبانوں میں رہا ہے، اس پر ایسا کوئی دور نہیں آیا جس کی وہ موت یا گمنامی کی آغوش میں گئی ہو۔ عرب قوم بھی اپنی زبان کی طرح زندہ قوم ہے، جب سے اسلام نے اس میں انسانیت اور زندگی کی روح پھونکی ہے، یہ قوم متمدن قوم کی حیثیت سے جی رہی ہے۔ زمانۂ دراز تک سیکولر ذہنیت کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد محکومیت کے دور میں بھی وسعت قلبی کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔ اسی کا اثر ہے کہ عربی زبان وادب نے لین دین کے اصول پر سختی سے عمل کیا ہے۔ جو زبانیں اپنے کو بیرونی اثرات سے محفوظ رکھنا چاہتی ہیں وہ زندگی سے محروم ہو جاتی ہیں۔

عربی ادب کی تقریباً ہر صنف جدید ترقیاتی دور سے متاثر ہوئی ہے۔ عربی شاعری نے بھی ہم عصر رجحانات کے لیے آئینہ کا کام کیا ہے۔ زیر نظر کتاب عزیزم ڈاکٹر محمد فیضان بیگ کی علمی کاوشوں میں سے ایک نمونہ ہے۔ عربی شاعری میں مختلف رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر فیضان بیگ نے اسلامی رجحان کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ عرب ممالک میں آج بھی دو گروپ ہیں ایک اسلام پسند اور دوسرے اسلام بیزار، لیکن بہتر پہلو یہ ہے کہ ترقی کا پہلا دور گزر چکا ہے جو آنکھوں کو چکا چوند کرنے والا تھا، جس میں آدمی اپنا فیصلہ خود لینے کی پوزیشن میں نہیں تھا بلکہ حالات سے متاثر یا مرعوب ہو کر بات کیا کرتا تھا لیکن اب آدمی فیصلہ خود اپنی سمجھ سے لیتا ہے۔ اس وقت کچھ لوگ تو مغربی ممالک کی آزادروی سے متاثر ہو کر بلا قیود

زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں اور دوسری جماعت وہ ہے جو انسانی اور مذہبی اقدار کی حامل ہے، یہ لوگ اسلام کے دامن ہی میں سکون پاتے ہیں۔

اسلام میں محدود ذہنیت کی گنجائش نہیں ہے اس لیے اسلامی رجحان حدود کا پابند نہیں ہوتا، دنیا کا درد اس کا درد ہوتا ہے اور عالم اسلام سے تو اس کا روحانی رشتہ ہوتا ہے، اس لیے اسلامی مسائل تو اس کے گھر کے مسائل ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلامی رجحان کی شاعری میں آپ کو عالمی اسلامی مسائل پر گفتگو ملے گی جن کا ڈاکٹر محمد فیضان بیگ نے بہت خوبصورتی سے جائزہ لیا ہے۔ اردو قارئین کا لحاظ کرتے ہوئے کتاب کے بیش تر اشعار کو اردو قالب میں ڈھال دیا گیا ہے۔ زیادہ تر عبارت رواں اور سلیس ہے۔ یہ کتاب اردو کے سرمایہ میں ایک مفید اضافہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو مزید نوازے۔ آمین وباللہ التوفیق۔

خادم زبان عربی
پروفیسر محمد نعمان خاں
شعبۂ عربی، دہلی یونیورسٹی

دہلی: یکم جولائی ۲۰۱۰ء

پیش لفظ

مغرب کی سیاسی بازیگری کے نتیجے میں موجودہ دنیا میں ہونے والی سیاسی سماجی اتھل پتھل، تیزی سے بدلتے ہوئے حالات اور ناقابل بیان تباہیوں کے ردِعمل میں معاصر عربی شاعری میں ادھر ایک نیا مزاحمتی رویہ ظہور پذیر ہوا ہے جو بلاخیز بھی ہے انتہائی دردانگیز بھی۔ عرب سخنوروں کے اس طبقہ نے طویل مصالحانہ رویہ کے مقابلہ میں اب شاید یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ:

دردِ دل لکھوں کب تک، جاؤں ان کو دکھلا دوں
انگلیاں فگار اپنی، خامہ خونچکاں اپنا

زیرِنظر کتاب معاصر عربی شاعری کے توسط سے سامنے آنے والے عرب و اسلامی دنیا کے اسی مزاحمتی واحتجاجی ادبی رویہ کے تجزیہ کی ایک کوشش ہے جس کی قوت و تأثر کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

دل میں پھر گریے نے ایک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا وہ طوفاں نکلا

ڈاکٹر محمد فیضان بیگ
ایسوسی ایٹ پروفیسر
شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

یکم جولائی ۲۰۱۰ء، علی گڑھ

معاصر عربی شاعری میں عالمی حالاتِ حاضرہ کے انعکاسات اور ردِ عمل کا ایک نیا مزاحمتی رجحان

عرب اور عالمِ اسلام ایک طول طویل زمانہ سے خواری اور پسپائی کا شکار چلا آرہا ہے۔ ایک نہایت تابناک ماضی کے بعد، پچھلی کئی صدیوں پر پھیلے ہوئے اس دردناک حاضر کا احساس، ادھر کچھ عرصہ سے بڑی طاقتوں کی ہٹ دھرمی، اس کے تئیں عالمی برادری کی مجرمانہ خاموشی، نیز عرب حکام کی تکلیف دہ مقہورانہ خودسپردگی کے سبب عالمگیر اور مزید گہرا ہوگیا ہے۔ کس قدر صادق آتا ہے ان حالات پر کسی کا یہ شعر

قتل امرئٍ في غابة جريمة لاتغتفر
وقتل شعب آمنٍ مسئلة فيها نظر

(ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام + وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا)

ایک طرف یہ حالات، دوسری طرف عالمِ اسلام میں ہونے والی مختلف اصلاحی کوششیں اور تجدیدی تحریکیں، کتابوں اور مجلّات کے ممبر سے صادر ہونے والی موثر تحریریں وغیرہ، یہ سب وہ عوامل ہیں جنھوں نے مل جل کر عربوں میں بیداری کی اس لہر کو جنم دیا ہے جس کو 'الصحوة' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ عربوں میں کم از کم ایک طبقہ ضرور ایسا ہے کہ احساسِ زیاں نے ان کے دلوں کو بری طرح مجروح اور لہو کو گرم کردیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب، معاصر عربی شاعری میں ان حالات کے تئیں ردِ عمل کی مختلف شکلوں اور انعکاسات کا ایک محدود جائزہ لینے، نیز اس کے نتیجے میں وجود میں آنے والے اس مخصوص مزاحمتی شعری رجحان کو پڑھنے کی ایک کوشش ہے۔

اس سلسلہ کی سب سے اہم اور توجہ کو اپنی طرف مبذول کرنے والی بات یہ ہے کہ علاقائی مسائل کے ساتھ ساتھ، عرب قومیت کے مقابلہ میں پان اسلامزم یا 'الجامعۃ الاسلامیۃ' کا احساس معاصر عربی شاعری کے اس رجحان میں واضح طور پر جلوہ گر نظر آتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جو شاید گزر گیا کہ عراق سے بعث پارٹی نے "امة عربية واحدة ذات رسالة خالدة" کا نعرہ دیا تھا، لیکن آج کے عرب نوجوان کا ترانہ ہے:

انا الإسلام أحياني وعلّمني وربّاني

(میں وہ ہوں کہ اسلام نے مجھے حیات بخشی ہے، مجھے سکھایا ہے اور تربیت کی ہے)

وأوقفني علي أرض تناصر نور وجداني

(اور مجھے ایک ایسی زمین پر لا کھڑا کیا ہے جو میرے نورِ وجدان کا ساتھ دے رہی ہے)

وبالإسلام سوف أقوم أرجوا الفجر يلقاني

(اسلام ہی کو لے کر میں اٹھوں گا اس امید پر کہ صبح سپید سے میری ملاقات ہوگی)

اذا ما الفتح عاندني يصير الصبر عنواني

(اگر کامرانی مجھ سے مزاحمت کرتی ہے تو صبر میرا عنوان ہو جاتا ہے)

ركنت إلي هدي ربي وطفت بنورِ ايماني

(میں نے اپنے پروردگار کی ہدایت کا پایہ پکڑا ہے اور اپنے نورِ ایمان کو لے کر پھر گیا ہوں)

ورب الكون يحدوني فتزهر كل أفناني

(ربِ کائنات میرا حدی خوان ہوتا ہے سو میری تمام ٹہنیاں برگ و بار لے آتی ہیں)

وأنهل من رحيق الآي تمحی كل أشجاني

(میں آیاتِ پاک کے ستھرے پانی سے ایسا سیراب ہوتا ہوں کہ میرے سارے غم ڈھل جاتے ہیں۔

وأبحر في دروب الخير أهجر وزر شيطاني

(اور شیطانی بوجھ کو چھوڑ کر میں بھلائی کی ڈگر پر ہو لیتا ہوں) (۱)

آج کے ایک leading ہفت روزہ مجلّہ کا شعار ہے مجلة المسلمين

فی انحاء العالم' جس کے نیچے یہ شعر لکھا ہوا ہوتا ہے:

وأینما ذکر اسم الله في بلد — عددت ارجاءه من لب أوطاني

چنانچہ واقعی اہم اسلامی رہنماؤں اور علماء کی وفات پر اظہارِ غم سے لے کر چیچنیا، افغانستان، عراق، اتھوپیا، ترکی، غرض عالم اسلام کے کسی گوشہ میں رونما ہونے والے کسی بھی سیاسی سماجی واقعہ تک شاید ہی کوئی موضوع ایسا گزرتا ہو جس کو معاصر عربی شاعری کے اس رجحان کے تحت کوریج نہ دیا جارہا ہو۔ اس سلسلہ میں عربی شاعری کے نہایت خوب صورت اور معیاری نمونہ منصۂ شہود پر آرہے ہیں۔ خونِ جگر کی آمیزش نے ان میں بلا کا حسن وتاثیر پیدا کردی ہے۔

عالم عرب واسلام کو درپیش موجودہ مسائل ومصائب کو بنیاد بناکر، آج کا عرب شاعر کبھی محض اپنے کرب کے اظہار پر اکتفا کرتا ہے، کہیں اپنے تابناک ماضی کی یادیں تازہ کرکے اپنے زخمی جذبات کی تسکین کا سامان فراہم کرتا اور اپنی قوم کی غیرت کو للکارتا ہے، کہیں مغرب کی پالیسیوں پر استہزاء وتنقید کرکے اپنا دل ٹھنڈا کرتا ہے اور کہیں دو قدم آگے بڑھ کر کسی 'صلاح الدین' کی آرزو اور مدِ مقابل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرفروشی کی باتیں بھی کرتا نظر آتا ہے۔ عمومی طور پر یہی وہ بنیادی موضوعات ہیں جن کے محور کے اردگرد اس رجحان کی شاعری گردش کرتی ہے۔

مسئلہ فلسطین واقصیٰ:

مسئلہ فلسطین واقصیٰ پر بہت کچھ کہا گیا ہے اور امتِ مسلمہ کے قلب کا یہ رستا ہوا ناسور اب بھی اسلامی مزاحمتی شاعری کا ایک اہم ترین موضوع ہے۔

فلسطین کے عربوں کی ایک بڑی تعداد اپنے وطن سے دور، سالوں سے بے یارومددگار در در کی ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے۔ دیکھئے ایسے ہی ایک فلسطینی عرب کے شوقِ وطن کے جذبات کو ذیل کی نظم 'طال النوی' (۲) میں کس خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ نظم، الشعر الحر کی ایک بہترین مثال بھی ہے۔ پہلے چار بندوں میں، یادوں کے جھروکے سے اپنے پیارے وطن کے چار نہایت رومانی مناظر کی تصویر اتاری گئی

ہے۔ شاعر کہتا ہے:

بعثت بغيمة الأحزان..
تزجيها أكف الغيب
إلي وطني.. باشواق
قد احترقت باعماقي
تسائله عهود الحب
وهل مازال ميثاقي
و ماخطته أقدامي..
علي رمل الشواطئ الخضر..
مكتوباً!؟
أم الأمواج قد لحست
وما أبقت.

اپنے اندرون میں سلگتے ہوئے شوق کے ساتھ میں نے غموں کے بادل کو تصور کے دوش پر سوار کر کے، اپنے وطن بھیجا، اس سے محبت کے عہد ناموں کے بارے میں پوچھنے کے لیے اور یہ دریافت کرنے کے لیے آیا سرسبز ساحلوں کی ریت پر میرا عہد و پیمان اور میرے قدموں نے جو عبارت لکھی تھی وہ اب تک موجود ہے یا موجوں نے اسے چاٹ ڈالا؟

☆☆☆

لقد طال النوي والبعد..
ياوطني!!
فهل مازال دربي مقمراً بالليل
وذاك المنحني المشبع
باسرار الهوي المترع
وحيث وعدتُ عينيها

پیارے وطن! تجھ سے جدا ہوئے ایک طویل زمانہ ہوگیا۔ تو کیا میری وہ ڈگر اب تک رات کی چاندنی میں نہا جاتی ہے؟ اور چھلکتے ہوئے عشق کے رازوں سے سرشار وادی کا وہ موڑ جہاں میں نے اسکی (محبوبہ کی) آنکھوں کو عہد و پیمان دیا تھا۔

☆☆☆

وظل شجيرة كنا..
نسميه بظل الحب..
وذاك المسجد المحفوف..
بالأشجار والأزهار..
إذ كنا نطهر ماجناه القلب

اور ایک درخت کا وہ سایہ جسے ہم سایہ محبت کہتے تھے.. اور درختوں اور پھولوں سے ڈھکی ہوئی وہ مسجد جہاں ہم دل کی لغزشوں کو دھو کر پاک کرلیا کرتے تھے۔

☆☆☆

أيا وطني
أما برحت خبايا العطر مالوفة؟
وأكواب من الجنات مصفوفة؟؟
وأسمار بليل الأنس..
تتلوها نجوم الليل..
تنسجها أشعتها..
ويرويها خيال الشعر..
بالأحلام ملفوفة.

اے وطن! کیا خوشبوؤں سے بھری ہوئی وہ تھیلیاں اب بھی ملتی ہیں؟ کیا جنت کے وہ جام اب تک چنے ہوئے ہیں؟ اور شبِ انس کی وہ گپیں بھی کہ تارے جن کی تلاوت کیا کرتے تھے، جنھیں تاروں کی کرنیں ہی بنا کرتی تھیں اور پھر شاعرانہ تخیل خوابوں میں لپیٹ کران کو بیان کیا کرتا تھا۔

☆☆☆

وديك الصبح ياوطني..
شبّان وصبيان؟
ليلتحقوا بفوج الفجر..
تتلو ثمّ قرآنا.
وقبل الصبح؟
أمازالت جرار الماء تحملها عذرانا؟

اور اے وطن! صبح تڑکے اذان دینے والا وہ مرغ؟ وہ جوان اور بچے جو صبح کے قافلہ میں شامل ہوکر قرآن کی تلاوت کرتے تھے؟
اور صبح ہونے سے بھی پہلے، کیا اب بھی ہمارے یہاں کی وہ دوشیزائیں پانی کے گگرے اٹھاکر لایا کرتی ہیں؟!

☆☆☆

وهل مازال في ساح المدارس ثم اطفال
ولم تعركهم المحن؟
أيا وطن؟
ولم تثقل كواهلهم دفاترهم؟
وقد رسموا على الجدران احلاماً وأحلاماً
وما ملت أناملهم ولكن كسروا في الحلم أقلاما

اسکول کے میدان میں بچے اب تک ہیں؟ آزمائشوں نے ان کو تھکا نہیں دیا؟
میرے وطن! بھاری بستوں کے وزن سے ان کے کاندھے بوجھل نہیں ہوئے؟ اسکول کی دیواروں پر انھوں نے کتنے خوابوں کی تصویر بناڈالی تھیں! ان کی انگلیاں تھک کر اکتا نہیں جاتی تھیں بلکہ خواب کے لکھنے میں کتنے ہی قلم وہ توڑ ڈالتے تھے!

☆☆☆

یادوں کا نامہ بر وہاں سے حالات وحقائق کا جو تلخ مرقع لے کر واپس لوٹتا ہے وہ اگلے چند بندوں میں اس طرح پیش کیا گیا ہے:

وعادت غيمتي تبكي..
وقد جرحت!!
أصابتها رصاصات
من الأطفال قد طاشت..
تقول وقدْ طواها الحزن
وتهطل من دموع الغم
بما زاد الأسي هما واحزانا..
تغيرت المعالم في طرائقه مبانيه
وصار الشاطئ المخضر محمرا
وموجُ البحر ضخ دماً وحيتانا
وصوت القنبل الداوى
هو الآذان
ويفقا أعين الحيطان
"بازوك"
يرتل سورة الرعد
ويفزع "أبجد" الأشعار
من دعد ومن هند
واين براءة الأطفال؟
والأحلام والأقلام؟
وهل يبقي لأشباح
تعاني مثقل الأرزاء أحلام؟
لقدغالت طفولتهم مطامعنا!!
وداست بؤرة الأحساس
ولم تشعر بهم في الدهس أقدام

میرا بادل وہاں سے زخمی ہو کر روتا ہوا واپس آیا۔ معصوم بچوں سے اچٹ کر چوکنے والی کچھ گولیاں اس کو لگ گئی تھیں۔ وہ غم میں لپٹا ہوا، اشک ہائے غم کی جھڑی لگائے کہہ رہا تھا، جس سے اداسی میں غم والم کا مزید اضافہ ہوگیا۔ وہ کہہ رہا تھا: تمہارے وطن کے راستوں پر بنے ہوئے نشانات اور مکانات یکسر تبدیل ہو چکے ہیں۔ سرسبز ساحل سرخ ہوگیا ہے اور موج بحر خون اور مچھلیاں باہر پھینک رہی ہے۔ اذان کی جگہ اب بم کے دھماکوں کی آواز نے لے لی ہے۔ 'بازوک' میزائیل، سورہ رعد کی تلاوت کرتے اور 'دعد وہند' (محبوباؤں) کے اشعار کے حروف کو سہماتا ہوا، دیوار کی آنکھوں کو پھوڑ رہا ہے۔ اور بچوں کی وہ معصومیت ، وہ خواب، وہ قلم اب کہاں! مصیبتوں کے بوجھ میں سسکتے ہوئے ہیولوں کے پاس خواب باقی بھی کہاں سے رہتے! ہماری حرص وہوس نے ان کے بچپن کو لوٹ لیا!! میدان میں ان کا احساس کیے بغیر قدموں نے احساس کے مرکز ہی کو روند ڈالا

رياض الحب..
بله حدائق الأفراح
وأشجار "الطلال" الخضر..
لم ينعم بفئ ظلالها بيت
حقول الموز والبطيخ والمانجو
يجردها جراد الحقد.

محبت کے چمن بلکہ مسرتوں کے وہ باغیچے، ٹیلوں کے وہ سبز درخت، اب کوئی گھران کے گھنیری چھاؤں سے لطف اندوز نہیں ہوتا۔ کیلے، تربوز اور آم کی ان کھیتیوں کو نفرت کا ٹڈی دل ڈُنڈا بنائے دیتا ہے۔

☆☆☆

عناقيد الكروم "بيدو" احترقت..
وصار عصير ضيفاني نزيف الدم
واصطبغت حياتي كلها بالدم
وماشيتي يعلفها.. الذي
اغتصب "الجران"
وذبح في العراحقدا.. أبي والأم
ويتم كل أولادي..
وإخواني وجيراني..
وأهلي كلهم شردوا..
ومنبر مسجدي يعلوه منتهك
لحرمته!!
ومن جمع المصاحف سلماً
تعلوه أقدام
- فشلت تلكم الأقدام.
ليسرق ساعة المسجد
تسور مدرج المحراب والمنبر
وصار خطيب جمعتنا!!

'بیدو' میں انگور کے خوشے جل کر خاکستر ہو گئے، اور مہمانی کا مشروب اب بہتا ہوا خون ہے۔ بلکہ میری پوری زندگی ہی خون سے رنگین ہے۔ جس شخص نے 'جران' کو غصب کیا ہے وہی اب میرے مویشیوں کو چارہ دیتا ہے۔ میرے باپ ماں کو کھلے میدان میں لے جا کر بہت نفرت سے ذبح کردیا گیا؛ میرے سب بچے، میرے بھائی اور پڑوسی سب کو یتیم کردیا گیا اور میرا خاندان بے گھر کردیا گیا۔ میری مسجد کے ممبر پر اس کی حرمت کو پامال کرنے والا ایک شخص چڑھ گیا ہے۔ جس نے قرآن کے نسخوں کو تلے اوپر اکٹھا کر کے ایک زینہ بنادیا ہے۔ جس پر مسجد کی گھڑی چوری کرنے کے لیے کچھ قدم اوپر چڑھ رہے، خدا ان قدموں کو مفلوج کردے! وہ شخص محراب و ممبر کے زینوں پر چھلانگ لگا کر جمعہ کا خطیب بن گیا ہے!!

☆☆☆

لیکن کہیں دور، بہت دور امید کی کوئی کرن بھی ضرور چمک رہی ہے۔ جسے نامہ بر کے جواب کی آخری سطروں میں پڑھا جا سکتا ہے:

وقالت غيمتي بأسي:
لقد أمطر تهم حبك!!
لقد أمطرتهم قلبك!!
وأمطرت الهوي والعشق
كل طرائق الوطن!!
لتسقط في جراحات الأسي
بردا!!
سلاماً يمحق الحقدا !!
رحيقاً ينتج الشهدا!!
ومنتظرٌ أنا
فلعل ما أمطرت
سوف يعيد ماانهدا!!

میرے بادل نے افسوس سے کہا:
میں نے ان لوگوں پر تمہاری محبت کی بارش برسا دی ہے! ان پر تمہارے دل کو نچھاور کر دیا ہے
اور ملک کے تمام راستوں پر عشق ومحبت کی بارش بکھیر دی ہے تا کہ وہ غم کے زخموں پر ٹھنڈک بن کر اترے!
ایسی سلامتی بن کر جو نفرت کو مٹا ڈالے!
ایسی ستھری شراب بن کر جس سے شیریں شہد پیدا ہو جائے!
اور اب میں انتظار میں ہوں کہ شاید میں نے جو کچھ برسایا ہے وہ ان چیزوں کی باز آبادکاری کر سکے جو منہدم ہو چکی ہیں!!

☆☆☆

اسی سلسلہ کی ایک دوسری نظم بعنوان 'الأقصي يتعرض للهدم' (۳) میں شاعر خود مسجدِ اقصیٰ کو خطاب کرتا ہے۔ شروع کے کچھ اشعار یوں ہیں:

سيهدمونك فاهدأ لاتكن صَلِفا
وراع أنك فى ذل الخيانات
يامسجد الخير هذى امتي نسيت
معني الكرامة فى شر الحزازات

(یہ لوگ اب تجھ کو منہدم کر دیں گے اس لیے گھمنڈ کرنے کے بجائے تو پُرسکون رہنا اور اس کا خیال رکھنا کہ تو خیانتوں کی ذلت کے بیچ میں ہے۔ اے مسجدِ خیر!

یہ میری قوم نفرتوں کے شر کے درمیان رہ کر عزت کا مفہوم تک بھول گئی ہے)

آخر میں شاعر نظم کو اس درد بھری تمنا پر ختم کرتا ہے:

الى متي انت تبقي شامخا ابدآ

وكل قومك في وحل الاهانات

ياضيعة الدين مافي القوم من رجل

يعيد للناس اخبار البطولات

(تم اس طرح سر اٹھائے کب تک کھڑی رہوگی جب کہ تمہاری ساری قوم اہانتوں کے دلدل میں ہے۔ اے قلمروئے دین! قوم میں ایک بھی تو ایسا مرد نہیں بچا جو لوگوں کے سامنے ایکبار پھر سے سرفروشیوں کی داستانیں دہرا دیتا)

'قدس' ہی سے متعلق ایک دوسری نظم 'هي القدس' ہے۔ دیکھئے کس خوبی واختصار سے چھوٹی بحر کی اس نظم میں حقائق کو قلم بند کیا گیا ہے۔(۴)

هي القدس تسبيحة فى السحر

وزقزقة الطير فوق الشجر

هي الليل يعشقه السامرون

ونجم رشيق يحب السهر

هي البدر يحرسه العاشقون

ويرعاه بالفكر من يدكر

هي البحر فى لحظات الغروب

به الشمس فى خدرها تستتر

هي الورد والفل والياسمين

هي الزنبقات وكل الزهر

هي القدس خلق كريم نبيل

ومن كل شئ جميل فطر

هي القدس لو أنكم تعقلون
هي القدس لو تحسنون النظر

(یہ قدس ہے، ایک تسبیح سحر گاہی، درختوں پر چڑیوں کی چہچہاٹ، وہ خوشگوار رات جس پر رات میں خوش گپیاں کرنے والے جان دیتے ہیں، اور ایک حسین ستارہ جسے شب بیداری پسند ہے یہ وہ ماہِ کامل ہے کہ عشاق اس کی تاک میں رہتے ہیں اور نصیحت پکڑنے والا تدبر سے اس کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ غروب کے وقت کا وہ سمندر جس کے آنچل میں سورج اپنا منھ چھپالیتا ہے۔ یہ گلاب کا پھول ہے، یہ گل یاسمین ہے غرض ہر قسم کا پھول ہے۔ یہ قدس ہے سراپا اخلاقِ کریمانہ، قدس جو ہر خوبصورت چیز سے تخلیق کیا گیا ہے۔ اگر تم سمجھ دار ہو تو یہی قدس، اگر تم میں حسنِ نظر ہے تو یہ قدس ہے۔)

مسئلہ قدس کے تئیں قوم کی بے حسی شاعر کو مایوس کیے دیتی ہے۔ چنانچہ نظم کے دوسرے حصہ میں وہ نہایت بے کسی کے عالم میں اپنا درد یوں ظاہر کرتا ہے:

هي القدس في أسرها تنتظر
وصرخاتها أوشكت تنتحر

تنادى هلموا أما من صلاح
وفكوا قيودي أما من عمر!!

أيا قدس عذراً وصبراً جميلاً
فأمتنا خير من يعتذر

طلبنا صلاحاً من الصالحين
فخاب الرجاء وضاع العمر

صلاح بأوطاننا مستكين
ينام مع الجند وقت السحر

صلاح يقهقه والغاصبون
يحيطون مسجده بالشرر

وباع الجواد الأصيل المغير
بسوق الحمير لكي يستقر
ويبحث عما يسد البطون
وعما يسد الأمور الأخر
لك الله يا زهرة العالمين
فسبحانه الناصر المنتصر

(یہ قدس ہے کہ پابندِ سلاسل راہ تک رہا ہے اس کی چیخیں اب خودکشی کیا ہی چاہتی ہیں۔ وہ آواز دے رہا ہے ''ارے آؤ، کیا ہے کوئی صلاح (الدین ایوبی)!؟ آؤ میری زنجیریں کاٹ دو، کیا یہاں کوئی عمر، نہیں ہے!؟'' شاعر جواب دیتا ہے! قدس! معاف کرنا، تم صبر جمیل ہی اختیار کرو کیوں کہ ہماری قوم کو معذرت کرنی خوب آتی ہے۔ ہم نے نیک صالح مردوں میں سے کسی صلاح الدین کو تلاش کیا تو ہماری امید ضائع اور زندگی برباد گئی۔ کیوں کہ ہمارے ملکوں میں صلاح الدین تو سکون سے پڑا صبح کے وقت لشکروں کے ساتھ میٹھی نیند سو رہا ہے۔ صلاح الدین بیٹھا ٹھٹھے لگا رہا ہے جب کہ غاصب اس کی مسجد کو پھونکنے کے لیے اس کو گھیر چکے ہیں۔ محض رہنے کا ٹھکانہ حاصل کرنے کے لیے اس نے اپنے جان پر کھیل کر حملہ کرنے والے گھوڑے کا سودا گدھوں کے بازار میں کردیا ہے۔ وہ تو پیٹ کی آگ اور 'دوسری آگیں' بجھانے کے لیے کسی چیز کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اے سارے عالم کی حسن و رونق! تجھے خدا ہی کا آسرا ہے کہ وہ پاک ذات مددگار ہے اور غالب!!)

'حكاية من خليل' (٥)، قصة شهيد' (٦) اور اس سلسلہ کی بعض دوسری نظموں کا انداز ڈرامائی ہے اور نہایت موثر اسلوب میں یہ مرکزی خیال پیش کیا گیا ہے کہ نسل کشی کی جاری اس وحشیانہ جنگ کے زخموں کا مرہم صرف دشمن کو منھ توڑ جواب دینا ہے۔ دشمن کے ساتھ مصالحت کی خیانت آمیز کوششوں سے ان نظموں کے کردار حد درجہ بیزار نظر آتے ہیں۔

'حكاية من خليل' میں ایک خاتون کا جگر گوشہ ان جھڑپوں میں کام آ گیا ہے اس کا شوہر یا کوئی اور شخص دکھیاری ماں سے اظہارِ غم کر رہا ہے جس پر وہ کہہ رہی ہے:

صرختُ بصوتٍ ثائر مطعون
"إني التقمت مصيبتي فدعوني
هيهات أن يشفي الجراح "حمامهم"
هيهات أن ينسي الغناء شجوني!"
قالت له والدمع يلهب خدها:
"بيني وبينك فلذتي ودفيني
أفلا تري قبراً هنالك فىَ الربي
هو ذا يقص حكايتى وشؤوني
كانت لنا وسط الصحاري روضة
مزدانة بالتين والزيتون
تزهو علي كل الرياض غصونها
وتميس نسمتها بكل غصون
فإذا بثعبان يجوس خلالها
ويذيقها كأس العذاب الهون
وإذا حمام "الشوم" حلق بعدها
فوق الهشيم بموكب ملعون!

(بہت ہی مجروح وغضبناک لہجہ میں اس نے چیخ کر کہا: ''میں اپنی بپتا کو پی گئی ہوں، اب تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ ان کی (امن کی یہ) کبوتری میرا زخم کیا بھرے گی! یہ گیت کہاں مجھے میرے غم بھلا سکیں گے!''۔ آنسوؤں سے سلگتے ہوئے رخساروں کے ساتھ وہ عورت اس سے کہہ رہی تھی: ''میرے اور تیرے درمیان میرا مدفون جگر گوشہ ترجمان ہے۔ دیکھ ادھر ٹیلوں پر وہ قبر تجھے نظر آ رہی ہے؟ وہ میری داستان اور واقعات کی

تفصیل سنا رہی ہے۔صحرا کے بیچوں بیچ انجیر اور زیتون کے درختوں سے آراستہ ہمارا ایک باغیچہ تھا۔اس کی ہری بھری ٹہنیاں سارے باغوں کے سامنے فخر کرتی تھیں اور اس کی بادِ نسیم میں جھوم اٹھتی تھیں۔پھر یہ ہوا کہ ایک زہریلا سانپ اس کے درمیان رینگنے لگا جس نے اس کو توہین آمیز عذاب کا مزہ چکھادیا۔اور اس کے بعد منحوسیت کی کبوتری ایک ملعون جلوس کے ساتھ اس خس وخاشاک پر منڈلانے لگی)

خاتون کی داستانِ غم اس شخص کے احساس کو بیدار کردیتی ہے:

فتحرك النفس الأبي بصدره

لما رأي من حزنها المدفون

قال: الحقيقة إن مثلي ميت

أما الشهيد بروضة وعيون

(اس کے مدفون غم کو دیکھ کر اس دلاسہ دینے والے شخص کے سینہ میں غیرت مندو خوددار ضمیر حرکت میں آگیا اور وہ بولا: سچ تو یہ ہے کہ میں تو نرا مردار ہوں۔شہید تو باغیچوں اور چشموں کے درمیان ہے)

لیکن خاتون کا غم محض اس زبانی تسلی سے بالاتر ہے۔دلاسہ دینے والے اس شخص سے وہ یوں گویا ہوتی ہے:

قالت كفاك نكأت جرحاً غائراً

مازال يذكي حرقتي وانيني

الأر ض ضجت والسماء عيونها

تبكي شهيدا في ثري حطين

كم شاعر فاض القريض بدمعه

أسفا عليه فانبري بلحون

لكن ذلك لم يهز شعيرة

في رأس هاو للقعود رهين!

أوكلما رحل الشهيد تفننوا

في إثره بالنعي والتأبين؟!

(وہ بولی: اب بس بھی کر کہ تو نے میرے اس زخم کو ہرا کر دیا جس سے اب سوزش اور ہوک سی اٹھتی ہے۔ زمین میں شور بپا ہے اور چشمِ فلک حطین کے ایک شہید کو رو رہی ہے۔ کتنے شاعر ہیں کہ اس کے غم میں اپنے قصیدے انھوں نے آنسوؤں سے رقم کیے اور غم ناک راگ پیش کیے لیکن پست اور جمود کے اسیر کے کانوں پر اس سب سے جوں تک نہیں رینگی۔ کیا ان کا اب صرف یہی کام رہ گیا ہے کہ جب کبھی کوئی شہید رخصت ہوگا تو اس کے پیچھے بین و ماتم میں یہ ایسے ہی طبع آزمائی کرتے رہیں گے؟)

اور آخر میں اس تسلی سے مطمئن ہونے کے بجائے وہ اس شخص کو عملی زندگی بدلنے اور کچھ کر گزرنے کی دعوت دیتی ہے:

يا باكياً خلف الشهيد ألا ترى

أن الهوان بدمعك المسكين؟!

إن الشهيد هناك في ساح اللظى

متاجج بزفيره المسنون!

إني دفنت مع المصيبة قصتي

وقبرت أيامي وبوح سنيني

فعلام تنبش في القبور تكلفا

لتثير أحزاني ونار شجوني؟!

وهنا أشاح "ابن السبيل" بوجهه

خجلا فقالت: والعزاء بديني

فبغير قرآن يلملم جرحنا

وبغير نبراس وبرد يقين

وبغير مصباح الخليل يمدّه
زيت الشهيد بنوره الميمون
وبغير راية أحمدٍ لا يرتجي
نصر لنا أو رفعة لجبين!

(اے شہید کے پیچھے رونے والے شخص! کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ خواری خاص تیرے بے کس اشکوں میں چھپی ہوئی ہے۔ شہید (حقیقی) تو وہاں شعلوں کے میدان میں اس کی نوکیلی کٹیلی لپٹوں میں جھلس رہا ہے۔ اپنی بپتا کے ساتھ میں تو اپنی داستانِ غم کو دفن بھی کر چکی، اور اپنے گزرے ہوئے دنوں کی عمر کے راز کو در گور کر چکی، پھر اب تو کیوں جان جان کران قبروں کو کرید کر میرے غموں اور آتشِ الم کو بھڑکا رہا ہے؟ یہ سن کر اس راہی نے شرمندہ ہو کر اپنا چہرہ پھیر لیا۔ اور خاتون نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: اب کہیں تسکین ہے تو میرے دین میں، سو اب بغیر زخموں کے بھر دینے والے قرآن کے، بغیر شمع ہدایت اور طمانیت یقین کے، اور بغیر ابراہیم خلیل اللہ کے اس چراغ کے جسے شہید کی قربانی اپنے مبارک نور سے فروزاں کر رہی ہے، اور بغیر احمد مجتبیٰ کے پرچم کے، نہ تو کسی فتح کی امید کی جا سکتی ہے نہ سرخروئی کی!!)

☆☆☆

"قصہ شہید" میں 'رامی' نام کے ایک بچے کی کہانی ہے جو فلسطین میں دشمن کے سخت حملہ کے وقت، گھر میں اپنے باپ کو اپنی ماں کے ساتھ سرگوشی میں جنگ میں شریک ہونے کی خبر دیتے اور اس سے اجازت لیتے سنتا ہے، وہ بھی ضد کر کے باپ کے ساتھ ہو لیتا ہے اور دشمن پر پتھر برساتے برساتے یہ ننھا سپاہی کسی سنسناتی ہوئی گولی کا شکار ہو جاتا ہے۔ رامی کے باپ کے رخصت ہوتے وقت روتی سسکتی صابر بیوی کا منظر اور پھر جنگ میں جامِ شہادت نوش کرنے کی رامی کی معصوم تمنا کی تصویر کشی انتہائی جذباتی اور دل کو چھو لینے والی ہے۔ ۳۵ ابیات پر مشتمل نظم کے چند اشعار ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

(رامي) غلام عمره في التاسعة
عاف الملاهي والحياة الوادعة

في ذات يوم مدلهم قاتم
ذي نفحة حري وشمس ساطعة

سمع الغلام أباه يروي هامساً:
يا زوجتا، دقت طبول القارعة

فإذا مضيت إلي لقاء أحبتي
في جنةٍ، نفسي إليها نازعة

وتركت بعدي أم رامي وابنها
بالله قولي: كيف انتِ صانعة؟

قالت ودمع العين يسبق لفظها،
وزفير آهاتٍ تحشرج طالعة

اصمت أبا رامي فداؤك مهجتي
هذا الفتي يصغي بأذن سامعة

الله من فوق السماواتِ العلا
حتماً سينصرنا، وإني طامعة

فخذ الغلام إلي البقالة واشتري
قوت العيال، أما تراني جائعة؟

(رامی ایک نو سالہ لڑکا ہے جس نے کھیل کود اور آسائش زندگی کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ ایک تاریک، اداس اور سخت لو اور دھوپ والے دن لڑکے نے سنا کہ اس کا باپ اس کی ماں سے سرگوشی کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے: ''پیاری! جنگ کے طبل بج اٹھے ہیں...... سو اگر میں رامی کی پیاری امی اور اس کے لال کو چھوڑ کر، کل کو اپنے احباب سے جا ملنے کے لیے اس جنت کی طرف چل بسوں جس کی طرف میرا دل کھینچ رہا ہے، تو تم کو

12176

خدا قسم کہنا کہ تم کیوں کر کام چلاؤ گی؟ الفاظ سے پہلے امنڈ آنے والے آنسوؤں اور سسکیوں سے رندھی ہوئی آواز میں اس نے جواب دیا کہ: ''چپ رہیے میرے سرتاج؟ میری جان آپ پر قربان، دیکھیے نا یہ لڑکا کان لگائے کھڑا سن رہا ہے بلند آسمانوں کے اوپر سے خدائے پاک ہماری مدد ضرور کرے گا، مجھے پوری امید ہے۔ آپ اس لڑکے کو لے کر دکان سے بچوں کے لیے کچھ کھانے کو لے آیئے۔ دیکھیے نا میں بھوکی ہوں''۔)

صحب الأب الموتور رامي إبنه
فـراه فـي كـمـدٍ وعيـنٍ دامعة

مـاذا دهـاك أيـا حبيـب، وما الذي
جـعـل العيون الزرق تبدو خاشعة

هـل تشتكـي المآ؟ - فديتك - إنني
أحـميك مـن شـر البلايا الفاجعة؟

هـل كسـر الأطـفـال دميتك التـي
تـحـنو وتشدوا بالأغاني الرائعة؟

هل تشتهى الحلوي؟ هلم لأصطفى
لك مـاتشـا مثـنـي ثـلاثـا رابـعة

فـأشـاح رامـي وجهـه متـذرعـا:
لاأشتهـي الـحـلوي وليست نافعة

أنـا لاأريـد مـن الحيـاة مباهجـاً
أنـا لاأريـد سـوي سيوفٍ شارعة

لأسـلهـا فـوق الرقـاب أحـزهـا
حـزاً، فتـزدجـر الـذئـاب الخادعة

هيا لنحطم صخرة ونحيلها
سجيل شؤم للقرود القابعة

ونزلزل الكفر الحقود لأننا
أشبال حمزة، لا حمائم ساجعة

(ذہنی تناؤ میں باپ اپنے بیٹے رامی کو لے کر چلا تو دیکھا کہ وہ غمگین ہے اور اس کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی ہیں۔ باپ نے تڑپ کر کہا: ''کیا ہوا میرے پیارے بیٹے کو؟ یہ نیلگوں آنکھیں کیوں اشکبار نظر آ رہی ہیں؟ کیوں کیا کہیں درد ہے؟ میں اپنے لختِ جگر کے قربان جاؤں۔ میں ہر شر سے تیری حفاظت کروں گا۔ کیا بچوں نے میٹھے میٹھے گیت سنانے والی تیری گڑیا توڑ ڈالی؟ یا تجھے ٹافی چاہیے؟ آمیں تجھے دو تین چار جتنی تو چاہے ٹافیاں دلوادوں''۔ لیکن رامی نے منہ پھیر لیا اور کہا:

''مجھے زندگی کی کوئی خوشی درکار نہیں۔ مجھے تو صرف ننگی تلواریں چاہئیں تاکہ میں ان کو ان دشمنوں کی گردنوں پر اس بے جگری سے چلاؤں کہ یہ دغا باز بھیڑیے لرز اٹھیں۔ آؤ ہم چٹان کو توڑ کر اپنے اوپر ان مسلط بندروں کے لیے نحوست و ہلاکت والی کنکریوں میں تبدیل کر دیں اور اس کینہ پرور کفر میں زلزلہ ڈال دیں کہ ہم غٹرغوں کرنے والی کبوتریاں نہیں بلکہ شیر زادے ہیں''۔)

قطع الحوار العذب صوت مدافع
قد صوبت نحو الصدور الفارعة

فإذا برامي كالسهام المنبري
يهوي ويبحث عن حجارٍ ضائعة

ويوجه الأولي ويتبعها بأخـ
ـري، إنها ضربات حرواجعة

ارم أيا رامي فرميك صائب
يؤذي العدو، ويالها من بارعة

لكن جند الكفر ضاقوا بالفتي
ذرعاً، ومن خلف الحصون الدارعة
وأرادوا إسكات الصبي وقتله
من غير ماخجل ونفس رادعة
فانهالت الطلقات تخرق جسمه
فإذا به يقضي وروحه طالعة

(چوڑے چکلے سینوں پر نشانہ سادھے توپوں کی آواز نے اس شیریں سلسلۂ کلام کو توڑ دیا۔ رامی تیر کی طرح نیچے جھکا اور بکھرے ہوئے سنگریزے تلاش کرنے لگا۔ اور ایک اور اس کے بعد دوسرا پتھر مارنے لگا۔ ایک بہادر کی تلملا دینے والی مار! مار رامی مار! تیری مار صحیح نشانہ پر لگ رہی ہے اور دشمن کو اس سے بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ کیسی ماہرانہ نشانہ بازی ہے! لیکن پھر بکتر بند محفوظ دیواروں کے پیچھے کفر کا لشکر لڑکے سے تنگ آ گیا اور بڑی بے شرمی سے اس کو خاموش کر کے ٹھکانہ لگانے کا ارادہ کیا۔ اگلے ہی لمحہ گولیاں لڑکے کے جسم میں پے در پے پیوست ہونے لگیں اور ذرا ہی دیر میں اس نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی''۔)

صہیونیت کے ساتھ مصالحانہ کوششوں اور اس رویہ کے تعلق سے اس شعری رجحان کے تحت کہی جانے والی نظموں میں 'حانوت اسرائیل' (۷) اور 'حلوی السلام' (۸) اپنے موقف کی نمائندہ نظمیں ہیں۔ 'حانوت اسرائیل أضحی قبلة' میں غاصب دشمن کے ساتھ مصالحت کی کوشش کرنے والے کو خائن اور نقصان کا سودا کرنے والا بتا کر عار دلایا گیا ہے اور پھر ان کے خلاف جدوجہد کے راستہ کو اپنانے کی ترغیب دی گئی ہے:

أربحت؟ بيعك ياسفيه خسار
ومذلة ومهانة وصغار
ياأخسر التجار في سوق الهوي
وبسوقه كم يخسر التجار

حانوت إسرائيل أضحي قبلة
للخائنين، يؤمه الفجار
بخيانة الأوطان يترع كأسهم
عبواء، وأمريكا هي الخمار
أتَراكَ فتّنك اليهود بعجلهم؟!
أم راع قلبك يا غوي خوار

(یہ تو نے نفع کمایا ہے؟ ارے بے وقوف تیرا سودا سراسر گھاٹا، ذلت اور پستی ہے۔ بازارِ محبت کے سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے اے تاجر! اس بازار میں کتنے ہی تاجر گھاٹے میں چلے جاتے ہیں۔ اسرائیل کا بار (شراب خانہ) اب غداروں کا قبلہ بن گیا ہے اور سب بدکرداروں کا رخ ادھر ہی ہے۔ ان کا جام وطن کے ساتھ بے وفائی سے لبالب بھرا جاتا ہے۔ وہ خوب جی بھر کر چڑھاتے ہیں اور ساقی امریکا ہوتا ہے۔ ارے کیا تو یہود کے بچھڑے پر فریفتہ ہوا ہے یا اے گم کردہ راہ! بچھڑے کی آواز سے تیرا دل سہم گیا ہے۔)

اگلے شعر سے شاعر اس دوسرے طبقہ کا حال بیان کرتا ہے جو جاں بازی وسرفرازی کو اپنا شیوہ بنائے ہوئے ہے:

إن كنت تجبن عن لقاء عدونا
فبأرضنا لاتجبن الأحجار
وسيوفنا كالبرق في لمعانها
فإذا تراءت تُخطف الأبصار
و"الله أكبر" مثل زمزمة الرعو
د، فإن علت فصروحهم تنهار

(اگر تجھے دشمن سے مڈبھیڑ میں ڈر لگ رہا ہے تو ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہماری سرزمین پر پتھر تک بے خوف ہیں۔ ہماری تلواریں بجلیوں کی مانند چمکتی ہیں اور جب

چمکتی ہیں تو دشمن کی آنکھیں چکا چوندھ ہو جاتی ہیں۔ اللہ اکبر کا نعرہ بجلیوں کے کڑکے کی طرح جب بلند ہوتا ہے تو ان کے قلعے نیچے آ رہتے ہیں)

اگلے چند اشعار میں روایتی انداز میں جنت کا شوق دلا کر شاعر اپنی قوم کو راہِ جہاد میں قربانی پر ابھارتا ہے:

یاقوم مابین الجنان وبینكم
إلا من الموتِ اللذيذ ستار

الدار ياقوت، وتربة أرضها
مسك، وتجري تحتها الأنهار

ونساؤها حور، وأوجه أهلها
نور كأن وجوههم أقمار

سكانها الشهداء والرسل الكرا
م، وأحمد المختار نعم الجار

(لوگو! جنت اور تمہارے درمیان محض مزیدار موت کا ایک پردہ سا ہے، جنت کا گھر یاقوت کا ہے، اس کی مٹی مشک کی ہے اور نہریں اس کے نیچے سے بہہ رہی ہیں۔ اس کی عورتیں بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں۔ اور اہل جنت کے چہرے ایسے نورانی ہیں جیسے ماہ کامل۔ شہداء وانبیاء کرام اس کے ساکنین ہیں اور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم بہترین ہمسایہ)

آخری تین اشعار میں قدس کی نصرت کی دعوت یوں دی گئی ہے:

یا قوم أقصاكم يئن، ومن دما
ءِ يهود يضمد جرحه النغار

ياقوم إما عيشكم في الذل أو
موت به إعزازكم فاختاروا

طـرق الـعـلا حـفـت بـكـل كـريـهـة
والـذل تـمـلأ طُـرُقَـه الأزهـارُ

(لوگو! تمہاری مسجد اقصیٰ کراہ رہی ہے اور اس کے رِستے ہوئے زخم کا پھایہ یہود کا خون ہی ہوسکتا ہے۔ لوگوں یا تو ذلت والی زندگی ہے یا عزت والی موت، آگے تم کو اختیار ہے۔ سرخروئی کا راستہ ہر قسم کی ناگواریوں سے پُر ہے اور ذلت کی راہ پھولوں کی سیج ہے)

'حلوى السلام' خود اس مظلوم سرزمین کی زبان میں قوم سے اس کی فریاد ہے۔ جس میں 'امن کی کوششوں' کی قلعی کھولی گئی ہے۔ اور آخر میں افغانستان و چیچنیا کو مثال بنا کر ویسی ہی جدوجہد کو مسئلہ کا حل بتایا گیا ہے۔ سرزمین فلسطین یوں شکوہ کناں ھے:

لـيـس لـي فـي الأنـام مـن اعـوان
مـذتـخـلـي عـن نـصـرتـي إخـوانـي

أي ذنـب جـنـيـتـه، فـعـدوي
وصـديـقـي عـلـي مـتـفـقـانِ

(جب سے میرے بھائیوں نے میری مدد سے ہاتھ کھینچا ہے پوری دنیا میں میرا کوئی مددگار نہیں۔ میں نے آخر کون سا گناہ کیا ہے کہ میرے دشمن اور دوست دونوں میرے خلاف متحد ہو گئے ہیں؟!)

اگلے چند اشعار میں اپنی بپتا اور کس مپرسی کا حال بیان کرنے کے بعد مسلمانوں کی غیرت کو للکارا گیا ہے اور اس کے بعد افغانستان اور چیچنیا میں روس کی درگت کو مثال بنا کر ویسی ہی مسلح جدوجہد کی یہاں بھی خوشخبری سنائی گئی ہے:

فـلـمـا ذا لـم تـغـضـبـوا لـمـصـابـي ؟
ولـمـاذا لـم تـطـفـئـوا نـيـرانـي ؟

"روسـيـا" لاتـزال تـذكـر حـربـاً
أسـنـمـتـهـا لـلـتـيـه والـخـسـرانِ

غـرهـا أنهـا العظيمة جـاهـاً
فتهـاوت عـلـي ثـري "الافـغـان"
ذاك درس لـم تـعـيـه فـعـادت
بـجـيـوش وعـدة وقيـانِ
قـادهـا الـحـقـد والغرور ليهوي
مـاتبقي علي ثـري "الشيشانِ"
عاف "حلوي السلام" أطفال قومي
وغـداً يهـدرون كـالـطـوفـان

(میری مصیبت پر تمہاری آتش غضب کیوں جوش میں نہیں آئی اور میری آگ کو تم نے کیوں نہ بجھایا؟ روس کو اب تک وہ جنگ یاد ہے جس نے اسے بدحواس و برباد کر دیا تھا۔ اسے یہ غرہ تھا کہ وہ بہت عظیم جاہ کا مالک ہے پھر وہ افغانستان کی سرزمین پر آکر ڈھیر ہو گیا۔ لیکن اس سے بھی اس نے سبق نہیں لیا اور ایکبار پھر فوجوں، ساز و سامان اور گلوکاراؤں کے ساتھ دوبارہ نکلا، کینہ اور گھمنڈ کے ہاتھ میں اس کی باگ ڈور تھی۔ اور پھر جو کچھ بچا کھچا تھا وہ چیچنیا کی سرزمین پر گنوادیا۔ میری قوم کے تو بچوں نے بھی 'امن کی اس ٹافی' کو اب چھوڑ دیا ہے اور وہ دن دور نہیں کہ وہ ایک طوفان کی گھن گرج کے ساتھ آئیں گے۔)

"قضية القدس" (۹) اور "القدس فی خطر" (۱۰) بھی اسی سلسلہ کی دو خوبصورت نظمیں ہیں۔ ان دونوں کا مرکزی خیال بھی دعوتِ پیکار ہی ہے "قضية القدس" کا انداز روایتی طور پر جذباتی اور جوشیلا ہے۔

قـضية الـقـدس مـازالت بـايدينـا
فـلا يـغـرنك مـن بـالوهم يهذونـا
إنـا وان غـلـت الأيـدي لموعدنـا
سـاح الـفـداء فـمـا نـامت مـآقينـا

والله ـ جل جلال الله ـ ناصرنا
والله ـ عز جنود الله ـ يحمينا
عشنا نلبي رسول الله قائدنا
والموت في الحق من أسمي أمانينا
ماضرنا الناس إن ضلوا وإن وهنوا
لأن من قدر الأقدار يهدينا

(بیت المقدس کا مسئلہ اب بھی ہمارے ہی قبضہ میں ہے۔ خرافات بکنے والے کی بکواس تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ اگر چہ ہمارے ہاتھ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں لیکن میدانِ کارزار کے ہم انتظار میں ہیں اور ہماری آنکھیں سوئی نہیں ہیں۔ اللہ جل جلالہ ہمارا ناصر ومددگار ہے۔ اور وہی، کہ اس کے لشکر باعزت رہتے ہیں، ہمارا محافظ ہے۔ اپنے قائد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک کہہ کر ہم زندگی گزار رہے ہیں اور موت تو دراصل ہمارے بلند ترین ارمانوں میں سے ہے۔ لوگ اگر گمراہ ہوکر کمزور پڑ جائیں تو اس سے ہمارا کیا بگڑے گا جب کہ تقدیروں کا بنانے والا خدا ہماری رہبری فرمارہا ہے)

آخری چند اشعار میں امید افزا لہجہ میں شاعریوں گویا ہے:

لقد تداعت علينا في الوري أمم
كانت تهاب إذا جئنا الميادينا
هي الليالي ـ كما قد قال قائلنا ـ
بين الوري دول فاسأل ليالينا
كنا وحسبهمو ما قال قائلنا:
هذا التفاوت يخزيهم ويعلينا

(زمانہ بھر کی ایسی ایسی قومیں ہم پر ایک ساتھ ٹوٹ رہی ہیں جو میدانِ جنگ میں ہمارے سامنے آنے سے ہیبت کھاتی تھیں۔ یہ تو زمانہ ہے اور بقول شخصے زمانہ تو

لوگوں کے درمیان الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔ ہماری طرف سے تو کہنے والے کی اتنی بات کافی ہے کہ اہلِ حق اور اہلِ باطن کے درمیان آج یہ تفاوت ان کے رسوا کرنے اور ہم کو اونچا اٹھانے کے لیے ہے)

مندرجہ ذیل فتح کے پراعتماد یقین پر نظم ختم ہوتی ہے:

جاؤوا الملحمة ـ لاريب ـ آتية
حتي يروا حتفهم يأتي بأيدينا

توضأت بطهور الفتح وابتهلت
لله أن ينصر الأبرار والدينا

خلت جوانحنا من حقدِ شانئنا
وأشرقت بالهديِ الأسنيٰ مغانينا

غداً لقانا وأرض القدس موعدنا
مهما تمرد وإستعدي أعادينا

(دشمن ایسے معرکہ میں آیا ہے جو عنقریب ضرور آنے والا ہے جس میں وہ ہمارے ہاتھوں اپنی ہلاکت کو دیکھ لے گا۔ ایسا معرکہ جو فتح وکامرانی کے پاک پانی سے وضو کر کے خدا کی بارگاہ میں نیکوکاروں اور دین حق کی نصرت کے لیے دعا گو ہے۔ ہمارے سینے تو اپنے دشمن کے کینہ سے پاک ہیں اور ہمارے ترانے تو روشن ہدایت سے چمک رہے ہیں۔ کل ہمارا مقابلہ ہونا ہے اور اس کے لیے سرزمین قدس کا مقام بھی طے ہے خواہ ہمارے دشمن کتنی بھی سرکشی اور جارحیت دکھالیں)

'القدس في خطر' میں عام نہج کی پیروی کرتے ہوئے نظم کے شروع میں منڈلاتے ہوئے خطرہ اور اس میں قوم کی عیاشی کا تذکرہ کیا گیا ہے:

القدس في خطر؟! ويحي ! يفزعني
طول الشكاة وطول العتب والصخب

فالناس بين مغاني اللهو تصرعهم
أهواؤهم وأماني العجز والرغب
أنّي تلفّتَ انغامٌ مخدرةٌ
ونشوة وليال هزها الطرب

والقوم في غفوة! في التيه! في ظلم
يلفهم من دياجير الهوي حجب

(ہائے قدس خطرہ میں ہے اور مجھے تو لمبے لمبے شکووں، غیظ وغضب اور شوروغل سے گھبراہٹ ہورہی ہے کہ لوگ لہوولعب اور عیاشی کے گیتوں میں ہیں اور ہوائے نفسانی اور درماندگی اور خواہشات کی تمناؤں نے ان کو پچھاڑ رکھا ہے۔ جدھر بھی توجہ کرو نشہ آور گیت، بدمستی اور مستیوں سے تھرکتی راتیں ہیں۔ اور قوم غفلت اور گمراہی کے ایک ایسے عالم میں ہے جس میں خواہشات کی شبہائے تاریک کے پردوں نے ان کو پوری طرح لپیٹ رکھا ہے!!)

غرض آخر تک اسی خیال کو کئی بندوں میں پیش کیا گیا ہے اور زبان بہت کلاسیکل استعمال کی گئی ہے۔

'وصية شهيد عربي' (۱۱) ایک ایسے مسلم عرب نوجوان کی وصیت ہے جو فلسطین میں اپنے مجاہدانہ حوصلوں کی تکمیل اور خوابوں کی تعمیر نہ پاسکنے کی وجہ سے مشرق کے ایک دوسرے برفستانی کوہسار میں اپنے جوہر دکھاتا ہے اور وہیں کی سنگلاخ اور برفیلی زمین کا پیوند بن جاتا ہے۔ چار بندوں کی ۲۵ اشعار پر مشتمل نظم کے چند اشعار ذیل میں بطور نمونہ ذکر کیے جاسکتے ہیں۔ فلسطین کو خیرباد کہتے ہوئے وہ شہید یوں خطاب کرتا ہے:

ياجبال القدس يا حصن القضية
شابت الدنيا ومازلت صبية

أنت للأحرار ميدان الجهاد
حول سور القدس ما أحلي المنية

ردني عنها سدود هائلات
ردت الأبطال أهل الجاهزية

فأتيت الشرق أحمي إخوتي
أطرب الدنيا بلحن البندقية

هزني ياقدس صوت المؤمنات
"أين أهل الدين أصحاب الحمية"؟!

(اے قدس کے کوہساروں! اے مسئلہ فلسطین کے پاسبان قلعہ! دنیا پر بڑھاپا آ گیا مگر تو اب تک جوان ہے۔ تو باعزت جوانوں کے لیے میدانِ جہاد ہے۔ کتنی خوشگوار اور شیریں ہے موت، فصیلِ قدس کے اردگرد۔ لیکن بڑی بڑی رکاوٹوں نے مجھے وہاں سے پلٹنے پر مجبور کر دیا۔ بہادروں کو ساز وسامان والوں نے پھیر دیا۔ تب پھر میں بندوق کے نغموں سے عالم کو مست کرتا ہوا مشرق میں اپنے بھائیوں کی حفاظت کے لیے چلا آیا۔ اے قدس! مؤمن عورتوں کی اس پکار نے مجھے جھنجھوڑ ڈالا کہ: کہاں ہیں ایمان والے غیرت مند؟!'')

اگلے بند میں شاعر اس شہید کا وصف اس طرح بیان کرتا ہے:

يا شهيداً ما بكته الباكيات
في جبال الثلج مجهول الهوية

عربي أنت شرقي السمات
من أب حرو أم يعربية

مسلم أنت ومحمود الصفات
قد بذلت المال والنفس والزكية

(برفیلی پہاڑوں میں کسمپرسی کے عالم میں ہونے والے او شہید کہ جس کے اوپر رونے والیاں بھی نہ تھیں۔ تو ایک شریف باپ اور عربی ماں سے پیدا شرقی صفات عرب ہے تو مسلمان اور عمدہ صفات والا ایسا شخص ہے جس نے اپنا مال اور

پاک جان راہِ خدا میں لگا دیا)

تیسرے بند میں شاعر کی آواز بہت جذباتی ہوگئی ہے وطن سے دور اپنی جان قربان کرنے والے اس جوان پر روتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

نمت فوق الصخر بين الراسيات
نومة الحر علي الصخر هنيه

نمت فوق الثلج تحت العاصفات
هل دفنتم إخوتي تلك الضحية؟!!

(تو پہاڑوں میں چٹان پر ایک بہادر کی سی میٹھی نیند سو گیا آندھیوں کے تھپیڑوں کے درمیان تو برف پر مستِ خواب ہے۔ بھائیوں! کیا واقعی تم نے اس مظلوم کو سپردِ خاک کردیا؟!)

آئندہ اشعار میں اس شہید کی تخیلانہ وصیت ذکر کی گئی ہے:

في شغاف القلب بالقدس هيام
وقرأنا بين عينيك الوصية؟

"فتية الإسلام يا خير الشباب
ارفعوا الظلم عن القدس العلية

من سواكم للثكالى النائحات
حول نعش لفتاة مقدسية

هتفت للقدس بين الهاتفات
رجمت بالصخر وجه العنصرية

صرعوها بالشظايا القاتلات
قتلوا مسلمة تحكي سمية

(تیرے شغافِ قلب میں بیت المقدس کا ہی شوق وعشق تھا، اور ہم نے تیری پیشانی پہ وصیت پڑھ لی کہ: "اے مسلمان نوجوانوں، اے چنیدہ جوانوں! قدسِ

پاک سے ظلم وستم کو ہٹا دو۔ اس فلسطینی دوشیزہ پر نوحہ کناں عورتوں کے لیے تمہارے سوا کون ہے جس نے نعرہ لگانے والیوں کے ساتھ نعرہ بلند کر کے نسل پرستی کے منہ پر پتھر برسائے تھے، اور پھر ان ظالموں نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی پیروی کرنے والی اس مسلمان لڑکی کو بم کی کرچوں سے ہلاک کر ڈالا؟!)

آخری اور چوتھے بند میں ساری قوم عرب کو للکارا گیا ہے۔ اور اس شہید کی وصیت پوری کرنے کی دعوت دی گئی ہے:

أسرعوا نحو الحمى بالعاديات
من بلاد الشام حيث الأريحية

من صعيد النيل من شطآنه
أو من الواحات أو إسكندرية
إنها القدس ودار المكرمات
علمتنا حبها أم رضية

يا صلاح الدين أقدم بالجنود
يدفعون الظلم بالأيدي القوية
إنها القدس ويحميها الشباب
فتية القدس من العيب برية

أيها الأحرار يا أهل الثبات
نفذوا في القدس أركان الوصية

(تیز رفتار گھوڑے لے کر حرمِ قدس کی جانب دوڑ پڑو، بلادِ شام سے جہاں سخاوت ہی سخاوت ہے، اور دریائے نیل کے میدان اور اس کے کناروں نخلستانوں اور اسکندریہ کے ساحل ہر جانب سے!۔ یہ قدس ہے، عزو شرف کا گھر!، اس کی محبت ہم کو نیک ماں نے سکھائی ہے۔ اے صلاح الدین اپنے ان فوجیوں کو لے کر پیش قدمی کر جو قدس سے ظلم وستم کو اپنے مضبوط ہاتھوں سے دفع کر دیں۔ یہ قدس ہے اور

اس کی حفاظت قدس ہی کے وہ جوان کریں گے جو ہر برائی سے پاک ہیں۔ اے جیالوں! اے پامردوں! تم بیت المقدس میں اس وصیت کے ہر جزء کو نافذ کردو۔)

"اسرائیل.. الفارہ العجوز" (۱۲) عرب عوام میں صہیونی جارحیت اور بے حس عربوں کی آپسی خانہ جنگیوں کے تئیں نفرت کے جذبات کی عکاسی کا ایک نمونہ ہے۔اس نظم کو الشعر الحر میں تاریخی شیڈس کے ساتھ علامات نگاری کے ایک نمونہ کے طور پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔خاص انداز کی اس علامتی نظم میں موقع بموقع شاعر ساتھ ہی ساتھ اپنی علامتوں کو Decode بھی کرتا جاتا ہے۔ دوسری خصوصیت اس نظم کی یہ ہے کہ اس میں مسئلہ فلسطین سے بڑھ کر ذرا وسیع کینوس پر پورے عالمِ عربی کو سمیٹنے کی بھی کی کوشش کی گئی ہے۔ نظم ملاحظہ ہو:

من جحر المكرِ الغربي
جاءتنا الفأرة "إسرائيل"
عيناها الخائنتان
تتجول في الوطن المضبوع
في كل مدائننا
وتفتش عن جحر
تستوطن أعماقه
الحلم يراودها..
أن تسكن جحراً في الكوفة
تتمني آخربين بستانين البرقوق
في غوطة "مروان" الأموي
تشتاق لماء النيل
وفرات "المنصور" العباسي

عیاریٔ یوروپ کے بل سے یہ اسرائیل یہ چوہیا ہمارے یہاں آئی ہے۔ ہمارے دوہے جارہے وطن میں اس کی غدار نگاہیں ہر سو چکر لگا رہی ہیں، ہمارے سبھی شہروں میں۔ کسی ایسے بل کی تلاش میں جس کی گہرائیوں میں وہ گھر بسا سکے۔ اسے یہ خواب گدگدا رہا ہے کہ اس کا ایک بل کوفہ میں ہو، اور دوسرا برقوق کے باغوں کے درمیان خلیفۂ اموی مروان کے شہر غوطۂ دمشق میں۔ وہ نیل کے اور خلیفہ منصور عباسی کے فرات کے پانی پر رال ٹپکا رہی ہے۔

جاءتنا تحملها..
سفن الروم الملعونة
وجوار الصخرة.. في بيت القدس
ولدت جراذنا مسعورة
قرضت
سجادة مسرانا
شبرا.. شبرا
لكن فصائلنا
تتجشأ خمراً رومية
تستورد بالدولار "البيزنطي"
وسيوف فوارسنا
تتقاتل في جوف الأحراش
المقهورة
وصهيل الثأر يمزقها
في داحس والغبراء
لتموت الخيل العربية
في قبر التاريخ المنسي
ولتبقي تحفر تحت مآذن
أقصانا الفأرة
يافأرة "بنيامين"
رغم النوم المستوطن في
الأحداق العربية
لستِ الأسد الصهيوني

رومیوں کے ملعون سفینے اسے یہاں لاکر چھوڑ گئے ہیں۔ پھر بیت المقدس میں صخرۂ پاک کے نزدیک اس نے خارش زدہ زہریلے بچے دے دیئے جنھوں نے ہمارے مقام اسراء ومعراج کے قالین کو کتر کر ٹکڑے ٹکڑے کردیا، اور ہمارے کنبے کے لوگ بازنطینی ڈالر سے درآمد شدہ رومی شراب چڑھا کر ڈکاریں لے رہے ہیں۔ ہمارے شہ سواروں کی تلواریں مجبور مقہور گوہوں کے بلوں میں آپس میں ہی ٹکرا رہی ہیں۔ داحس اور الغبراء (عربوں کی دو مشہور تاریخی جنگیں جو طویل زمانے تک چلتی رہیں) کی انتقامی ہنہناہٹیں ان کو ٹکڑے ٹکرے کر رہی ہیں۔ تاکہ اصیل عربی گھوڑے قصہ پارینہ تاریخ کی قبر میں موت کے گھاٹ اتر جائیں، اور چوہیا اسی طرح ہماری مسجدِ اقصی کے میناروں کے نیچے اندر ہی اندر مٹی کھودتی رہے۔ اے بنیامین کی چوہیا! عرب دیدوں میں بسی ہوئی اس نیند کے باوجود بھی تو جنگل کی وسعتوں میں چہل قدمی کرنے والا ''صہیونی شیر'' ہرگز نہیں ہے۔

يتجول بين متاهات الغابة
وبرغم السيف "النووي"
في غمدك يستلقي
وبرغم زقاق الهجرة في البقعة
تلمودك لن ترضاه عشائرنا
فالعزة تسكن تحت رماد عزائمنا
من بين عظام القتلى
المطحونة
ودماء اللحم المفروم
من بؤبؤ عين الشيخ
المقلوعة
سيجئ الطفل الأموي
وسيمخر مركبه
شطآن جراحات الشهداء
المحروقة
كي يرسو في ميناء العزة في
الأقصى
وهناك سيكبر في غاب الزيتون
كي يرضع من صدر الأرض
المغضوبة
عسلاً.. ودماً
وغداً
يافأرة "بنيامين"

تیری نیام میں آرام سے سونے والی اس نیوکلیائی تلوار کے باوجود بھی! اور قطعۂ ارض پر ہجرت کر کے آنے والوں کی نئ بستیوں کے باوجود بھی! ہمارے قبیلے ہرگز ہرگز تیری ''تلمود'' قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے!! کہ عزت ہمارے عزائم کی خاکستر تلے اب تک سکونت پذیر ہے۔ مقتولین کی سرمہ کی ہوئی ہڈیوں اور قیمہ کیے ہوئے گوشت کے خون کے درمیان سے اور ضعیف بوڑھے شخص کی نکالی ہوئی آنکھ کی پتلی میں سے عنقریب اموی بچہ آئے گا اور شہداء کے جھلسے ہوئے زخموں کے کناروں سے اس کا بادبانی سفینہ سینہ چیرتا ہوا آئے گا اور اقصیٰ میں عزت کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوجائے۔ پھر وہاں زیتون کے باغ میں وہ پروان چڑھے گا تاکہ غصب شدہ سرزمین کی چھاتی سے شہد اور خون پی پی کر پلتا رہے۔ پھر آئندہ کل کو، اے بنیامین کی چوہیا!

.يـأتيك الـفـارس يحمل سيف
قبائلنا
ويدوسك بالفرس العربي
ويكبـر فـوق التـلة.. من بعد
التلة
الله كبيراً يا أقصي
سيعود النصر
وتعود الصخرة أختاً للكعبة.

ہمارے دیرینہ قبیلوں کی تلوار لیے ہوئے شہ سوار تجھ کو آلے گا اور عربی گھوڑے سے تجھ کو روند ڈالے گا، ٹیلہ ٹیلہ تکبیر بلند کرتا ہوا۔ اے اقصی!! اللہ بہت بڑا ہے، فتح وکامرانی پھر لوٹ کر آئے گی اور صحرۂ مقدسہ پھر سے کعبہ کی بہن بن جائے گی۔

"قـطـع مـن قلبی" (۱۳) بھی اسی رنگ کی ایک آزاد نظم ہے۔ جگہ جگہ ایسی تاریخی تلمیحات ہیں جن کی وضاحت شاعر نے حاشیہ میں کی ہے۔ امت اسلامیہ کے انحطاط اور مظلومیت پر دکھ کا اظہار ہی اس نظم کا بھی بنیادی محور ہے۔ بات کا آغاز حسبِ رواج فلسطین سے ہوتا ہے پہلے اور دوسرے بند کا موضوع یہی ہے:

قـطـع مـن قـلـبي مـقـتـطـعـه
داستهـــا أقـــدام الـــكـــفـــار
تـــركـــت فـــي نـــفـسـي آلامـــا
هـــائـجة مثـــل الإعـــصـــار

(میرے دل کے کٹے ہوئے چند ٹکڑے جن کو اہل کفر کے قدموں نے روند ڈالا ہے۔ جنھوں نے میرے اندرون میں ایسے بپھرے ہوئے دکھ چھوڑے ہیں جیسے طوفانی آندھی ہو۔)

في القدس جراح وجراح
تدمي في العقل الأفكار
تدمي من قلبي الأغوار
لا تفتأ تبكيني

قدس میں ایسے زخم در زخم ہیں جو دماغ کے افکار وخیالات کو لہولہان کر رہے ہیں۔ جو دل کی گہری کھائیوں تک کو خون خون کر رہے ہیں۔ یہ زخم مجھے برابر رلاتے ہیں

حتى يتجاوز دمعي الأسحار
ياجرح القدس الدامي في
الأعماق
أعماق ملايين العشاق
هل أنت الجرح الأبدي ؟!!
من قبل مجيئي للدنيا
ودماؤك تنزف في الأقطار
وبيوم ولدتُ استروحتُ
آلام جراحك في الأنفاس
وفي عرف الأزهار
وشببت عن الطوق فشبت
آلامي مثل الأشجار
والآن الآلام بقلبي
تتسلق أعلي الأسوار
تتحدي صمتا مضروبا
يدمي أكباد الأحرار
ويفوق صمات الأحجار

یہاں تک کہ میرے اشکِ غم وقتِ سحر سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اے دل کی گہرائیوں میں لگنے والے قدس کے زخم خونچکاں! لاکھوں عشاق کے دل کی گہرائیوں میں کیا اب تو ہمیشہ باقی رہنے والا زخم بن گیا ہے؟ میرے دنیا میں آنے سے بھی پہلے سے تیرا خون ملکوں میں رس رہا ہے اور جس دن میں نے آنکھیں کھولیں تھیں اسی دن تیرے زخم کی تکلیف، میں نے سانسوں میں اور پھولوں کی خوشبوؤں میں اپنے اندر لے لی تھی۔ میں طوقِ غلامی کو توڑ کر کھڑا ہوگیا۔ تو میرے غم درختوں کی طرح میرے اندر بڑھتے رہے۔ اور اب غم میرے دل میں سب سے اونچی فصیل تک چڑھے ہوئے ہیں اور جمادات سے بھی زیادہ خاموش چھائے ہوئے سناٹے کو للکار رہے ہیں جس نے باعزت جوانوں کے جگر لہولہان کر رکھے ہیں۔

☆☆☆

ياويح مئات ملايين
تعجز عن تحرير فلسطين
من حفنة شذاذ ملتقطين!!

لعنت ہے ان ہزاروں لاکھوں کی تعداد پر جو فلسطین کو مٹھی بھر بے راہ رو اور نیچ لوگوں کے قبضہ سے آزاد نہیں کر پا رہے ہیں۔

اگلے بند سے شاعر فلسطین کے موضوع سے آگے بڑھ کر دوسرے ممالک میں ملتِ اسلامیہ پر ہونے والے ظلم وستم کا رونا روتا ہے:

في كل صباح تفجؤنا
حادثة مثل الإعصار
فكلاب الصرب بكوسوفا
قد أوروا في قلبي النار
ولـدي .. أمـي .. أختـي ..
أهلي ..
صرخات تبحث عن أنصار
ياأتباع الهادي
بيتي بأيادي الصرب قد انهار
وبلادي تأكلها النار
ماذا يا أتباع محمد
صلى الله عليه وسلم
ماذا أعددتم للثأر ؟!!

ہر صبح کوئی نہ کوئی نیا حادثہ اچانک آندھی طوفان کی طرح ہمارے سر پر ٹوٹا رہتا ہے۔کوسوا میں صربیا کے کتوں نے میری دل میں آگ لگادی ہے۔''میرا جگر گوشہ''! ''میری ماں''!''میری بہن۔گھر والے''! یہ اٹھنے والی چیخیں جو اپنے مددگاروں کو ڈھونڈ رہی ہیں! اے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعداروں! صربوں کے ہاتھوں میرا گھر ڈھادیا گیا ہے، میرے ملک کو آگ کھا رہی ہے۔اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں تم نے بدلہ کے لیے کیا تیاری کی ہے؟

آئندہ بند میں شاعر اسپین کا رخ کرتا ہے:

وهنالك في أقصي المغرب
أختان بأيدي الإسبان
بدماء الحسرة تعتبران
فالأسر مرير ومرير مثل العلقم
وخصوصاً من ربات المجد الأعظم

(اور دور وہاں مغرب اقصیٰ میں دو بہنیں اسپینیوں کے ہاتھوں میں ہیں اور خونِ حسرت کے اشک بہا رہی ہیں کہ قید و بند کس قدر تلخ ہوتا ہے علقم کی طرح۔

خاص طور سے جب یہ قید و بند عظیم شان و شوکت والی خواتین پر ہو۔)

اگلی سطر سے شاعر موجودہ اسپین سے اندلس عربی کی عظمت رفتہ کی دھندلکوں میں کھو جاتا ہے۔ جہاں حاشیہ میں پانچ تاریخی اشارے بھی ذکر کرتا ہے۔ بیچ بیچ میں یہ یادیں اس کے دل میں ہوک سی اٹھاتی ہیں:

یاجسري طارق (١) للأندلس
یاجسري یوسف(٢)عند عبور البحر
كي ينقذ مجداً يتهاوي تحت سيوف الإسبان
مابال أمير الأمس يصير أسيرا؟
والجبل(٣)الرابض عند الشط الآخربات كسيرا؟
ياموقف عقبة(٤) حين اقتحم البحر
وتوقف بين الأمواج
من فوق جواد مهتاج
يقسم أن لوكان أناس خلف البحر
لاقتحم الأمواج
وأتاهم يدعوهم للدين الحق بقلب وهاج
ياسبتة ومليلة(٥)
ياغرناطة، ياقرطبة المنسية
ياوجه بلنسية
ياقطعاً من قلب المسلم مقتطعة
يافردوس الأمس المفقود
ياأرض الأندلس
مازلت بأعيننا أطيافاً تورثنا التسهيد

الهوامش:

(١) هوطارق بن زياد فاتح الأندلس

(٢) هو يوسف بن تاشقين أمين المغرب في عهد ملوك الطوائف بالأندلس

(٣) هو جبل طارق عند المضيق المعروف

(٤) هو عقبة بن نافع فاتح افريقية

(٥) هما مدينتان علي الشاطئ الغربي خاضعتان للإسبان

(اے اندلس میں طارق کے دونوں پلوں! اسپینیوں کی تلواروں تلے لڑکھڑاتی ہوئی عزت کے بچانے کے لیے اور سمندر عبور کرتے وقت یوسف کے دونوں پلوں! کیا بات ہے کہ کل گزشتہ کا شاہزادہ آج پابندِ سلاسل ہے؟ اور ساحل سمندر کے دوسرے کنارے پر قابض کوہسار (جبل طارق) کیا بات ہے کہ شکستہ ہوگیا ہے؟ اور اے عقبہ بن نافع کے وہ تیور! جب کہ سمندر میں گھس کر بپھرے ہوئے گھوڑے پر سوار موج پر کھڑے ہوکر وہ قسم کھا رہا تھا کہ اگر سمندر کے پرے بھی بنی آدم بسے ہوتے تو سمندر میں گھوڑا ڈال دیتا۔ وہ جو دل تابندہ کے ساتھ ان کو دینِ حق کی دعوت دینے آیا تھا۔ اور اے مقامات سبتہ اور ملیلۃ! اے غرناطہ! اے بھولے بسرے قرطبہ! اے رخِ شہر بلنسیہ! اے قلبِ مسلم کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں! اے ماضی کی کھوئی ہوئی جنت! اے سرزمین اندلس! تو اب بھی ہماری آنکھوں میں ایسے خوابہائے ناتمام کی طرح جاگزیں ہے جس نے آنکھوں سے نیند کو چھین لیا ہے۔)

آخری چند اشعار میں بہت یاس وحسرت کے عالم میں شاعر کہہ رہا ہے، اور گویا اہلِ غیرت کو پکار رہا ہے:

مازلنا نجتر الماضي الموءود

ونقص حكايات الأمس

فتثير بأعماق القلب التنهيد

(ہم اب تک زندہ درگور کیے ہوئے ماضی کو گھونٹ گھونٹ گلے سے اتار

رہے ہیں اور ماضی کی وہ داستانیں سنائے چلے جا رہے ہیں جن سے دل کی گہرائیوں سے آہ نکل نکل جاتی ہے۔)

قطع من قلبي قد ديست
فلذات من كبدي وطئت
في لج الألم الموار
دميت، نزفت، صرخت، راحت
تستصرخ أهل الايثار
لكن رغم غزير دموعي
لم تُطفأ في دربي الأنوار
من يرنُ إلي حال الأمة
لاتبرح تدمع عيناه
ويئن أنين المطعون
لتهز النوام الاه
بل يصرخ فيهم وينادي
واقلبي وا إسلاماه

میرے دل کے ٹکڑے جو کچل دیئے گئے، میرے جگر گوشے جو روند ڈالے گئے، غم کے ہلکورے لیتے سمندر میں، وہ لہولہان ہوکر بہتے ہوئے خون کے ساتھ چیخ چیخ کر اہل ایثار کو مدد کے لیے پکار رہے ہیں۔ لیکن میرے زار و قطار بہنے والے آنسوؤں کے سیلاب کے باوجود اب تک میری راہ میں روشنیاں گل نہیں ہوئی ہیں۔ میں ہی کیا جو بھی امت کے حال پر نظر کرے گا اس کی آنکھیں بہتی ہی چلی جائیں گی اور اس کے اندر سے خنجر زدہ کی سی کراہ نکلے گی، کاش کہ یہ آہ سوئے ہوؤں کو بیدار کردے۔ بلکہ وہ چلا کر ان کے درمیان پکار اٹھے: ''ہائے میرے دل! ہائے میرے دین''۔

شاید ہندوستان کے عربی قارئین میرے اس احساس میں میرا ساتھ دیں کہ اس نظم سے کہیں ہمارے علامہ اقبال کی خوشبو سی آتی محسوس ہوتی ہے۔

شکست خوردگی کا یہ احساس اور کچھ کر گزرنے کا جذبہ ہر وقت عرب شاعر کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ ہر تقریب، ہر موقع اسی کسک کو تازہ اور اسی زخم کو ہرا کرتا ہے۔ مثلاً رمضان کی روحانی بہاریں جن کی عربوں کی معاشرتی زندگی میں صدیوں سے ایک خاص اہمیت ہے اور عرب عوام و خواص شوق سے اس کا انتظار کرتے ہیں، وہ

رمضان بھی 'اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گزر گئے' کا اداسی بھرا پیام ہی دے کر جاتا ہے۔

'إعتذار القوافي للضيف الموافي' (۱۴) اور 'القدس والشيشان' (۱۵) کلاسیکل اسٹائل میں کہی گئی دو نظموں کو اس کا اچھا نمونہ شمار کیا جا سکتا ہے۔

اول الذکر نظم کے زیادہ تر حصہ میں ماہِ رمضان المبارک کو مخاطب بنا کر موجودہ غیر عادلانہ اور مایوس کن صورتحال پر بڑی طنز آمیز تنقید کی گئی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

رمضان عذراً فالأسي يضنيني
والحال يا رمضان لايرضيني
عذراً إليك إذا حللت بساحنا
وسمعت في الأرجاء رجع أنين
ورأيت محراباً يغالب دمعه
شوقاً إلي الماضي بكل حنين
ووجدت أولي القبلتين مكبلاً
في قبضة السجان من صهيونِ
ولمحت "يوسف" في السجون مغيباً
ومعاقر الإجرام غير سجين
ورأيت من يهفو لشم قمامة
ويعاف شم الروض والنسرين

(ماہِ مبارک! مجھے معاف کرنا کہ غم نے مجھے نڈھال کر رکھا ہے اور میں تو خود ہی اے ماہِ مبارک! اس صورتحال سے خوش نہیں ہوں۔ تم ہمیں معاف کر دینا اگر تم ہماری سرزمین پر آؤ اور صدائے بازگشت میں سسکیاں سنو۔ یا ایسی محراب پر تمہاری نظر پڑے جو اپنے شاندار ماضی کے شوق و کسک میں اپنے آنسوؤں کو پینے کی کوشش کر رہی

ہو، یا قبلہ اول کو تم صہیونی جیلر کے ہاتھوں پابندِ سلاسل پاؤ، یا یوسفِ بے گناہ کو تم جیل کی اندھیریوں میں بند پاؤ اور بدمعاش ومجرم کو آزاد، یا جب تم ایسے شخص کو دیکھو جو کیاریوں اور پھولوں کی خوشبو چھوڑ کر کوڑے کے ڈھیر کو سونگھنے کے لیے لپک رہا ہو۔)

وسمعت أرملة تهدهد طفلها
فلربما يأتي صلاح الدين
ورأيت في الشيشان شعباً جاءه الـ
موت الزؤام بقبضة التنين
وقرأت مرفوعاً بنصب تحته
ورأيت حرف الصاد قبل الشين
ووجدت شعباً ليس يملك خبزة
ورأيت رباناً بغير سفين
وحضرت خطبة جمعة رنانة
موضوعها في الغسل والتكفين

(یا جب کسی بیوہ کو سنو کہ وہ اپنے لعل کو لوری سنا کر کہہ رہی ہو کہ ''شاید صلاح الدین آتا ہی ہو''، یا چیچنیا کے عوام کو دیکھو کہ تنین ناگ کے ہاتھوں موت ان پر گھیرا ڈال رہی، یا تم دیکھو کہ کسی کلمۂ مرفوعہ کے نیچے زبر لگا ہوا ہے اور حرفِ صاد شین سے پہلے لکھا ہوا ہے، یا تم کو ایسے لوگ نظر آئیں جن کے پاس پیٹ بھرنے کو روٹی بھی نہیں، یا بحری جہاز کا کپتان تو ہو مگر جہاز ندارد ہو۔ یا اگر تم جمعہ کو ایسا لچھے دار خطبہ سنو جس کا موضوع غسل وکفن سے آگے کچھ نہ ہو۔ تو اگر تم ہمارے یہاں آؤ اور یہاں یہ سب صورت حال دیکھو تو میں تم سے یہی کہوں گا کہ تم ہم کو معاف کر دینا۔)

آخر کے چند اشعار میں امید کی اس کرن کی بشارت دی گئی ہے جو نظم کی محوری فکر ہے:

فـأعـلـم بأن السيل قد بلغ الزبي
وصبــاحــنــا اتٍ بــكـل يـقـيـن
مــازال في الآفــاق غيـث ممـرع
وغـداً سيغسل مقلتي وجبيني
مـازال فيـنـا المخلصون، دماؤهم
رخـصـت لـوجـه إلهـنـا والدين
هـم فتية، لــلــه بـاعـوا أنـفساً
طلبـاً لـمــغــفـرة وحورٍ عين
هم فتية الأنـفـال سوف نـزفهم
لـلـمـجـد يـوم الـنـصـر والتمكين
فـالـلـه - يا رمضان - ناصر حزبه
بـالـكـاف يـمضي أمره والنون

(غرض اگر تم حالات ایسے پاؤ تو جان لو کہ پانی اب سر سے گزر چکا ہے اور ہماری صبح کی آمد آمد ہے۔ آسمان پر ابھی بادل نمودار ہیں اور کل کو یہ میری آنکھ اور پیشانی کو دھو کر صاف کردیں گے ۔ ہمارے درمیان ایسے مردانِ با اخلاص اب موجود ہیں جن کے خون ہمارے معبود اور دین کے راستہ میں بے قیمت ہو گئے ہیں۔ وہ ایسے نوجوان ہیں جنھوں نے مغفرت اور حورِ عین کی طلب میں اپنی جانوں کو فروخت کردیا ہے۔ کیوں کہ ماہِ مبارک ! اللہ اپنے کن فیکونی فیصلوں کے ساتھ اپنی جماعت کی مدد پر ہے۔)

'الـقـدس والشيشـان' کے شروع کے تین اشعار میں قدس کی کسمپرسانہ حالت کا حسرت بھرا بیان ہے:

رمـضــان عــاد ولـم تـعـد بـدر
يــاقــوم ليـــس لــقــادر عــذر

القدس يتركها أحبتها
للنائبات وليتهم صبروا
صهيون تعلو في منازلنا
لو تعطسون لها لها الأمر

(رمضان کا مہینہ پھر لوٹ کر آ گیا لیکن معرکہ بدر اب تک نہیں لوٹا۔ اے لوگو! صاحبِ استطاعت شخص کے لیے اب کوئی عذر باقی نہیں ہے۔ قدس کو اس کے عشاق مصائب کے رحم وکرم پر چھوڑ جاتے ہیں۔ کاش کہ وہ صبر کرتے۔ صہیونی ہماری بستیوں میں دندناتے پھرتے ہیں۔ اگر تم سب چھینک ہی دیتے تو ان کا دل دہل جاتا۔)

اگلے چند اشعار میں شاعر، قدس کے مقابلہ چیچنیا میں جاری مسلح جدوجہد اور ان کے مصائب کا فخریہ طور پر تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

يا فارس الشيشان أنت فتي
أقدم بك الإسلام يفتخر
الروس في الشيشان قد فجرت
حطّم - فديتك - رأس من فجروا
تبكي العيون من القلوب دماً
حول الضحايا ضمها القبر
الطفل قد سرقوا سعادته
والشيخ ضاق بهمه الصدر

(اے چیچنیا کے شہ سوار! بہادر تو تو ہے۔ آگے بڑھ کہ اسلام کو تجھ پر فخر ہے۔ روسی، چیچنیا میں بدکاری کرتے پھرتے ہیں۔ میری جان تجھ پر قربان! تو بڑھ کر بدکاروں کا سر پاش پاش کر دے۔ قبر کی آغوش میں دیئے گئے شہیدوں پر دل کی آنکھیں خون کے آنسو روتی ہیں۔ ان بدبختوں نے طفلِ معصوم کی خوشیوں کو لوٹ لیا

اور بوڑھے کے رنج وغم کو دیکھ کر دل مسوستا ہے۔)

ان حالات میں عیاش اور بے حس مسلمانوں کی حرکتوں پر اپنی خفگی کا اظہار شاعر نے یوں کیا ہے:

ويح الرجال أصابهم خدر
حول الموائد ليلهم سمر
هذا يرابط خلف "شيشته"
وذاك لاهٍ ماله خطر
قد راح يركض خلف ساقطة
معبوده الصهباء والوتر
والشرك قد وصلت كتائبه
والعلج يأمرها فتأتمر
والأخت فارقها أخ وأب
والموت في الأحياء ينتشر
ناحت مشردة وثاكلة
فوق الجبال البيض تنتظر
الخصم يضحك والبكاء لنا
والرد كل الرد مؤتمر

(ناس ہو ان مردوں کا کہ ان پر نشہ طاری ہے، رات بھر دستر خوان کے گرد بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ اس کو دیکھو تو اس نے حقہ کے پیچھے مورچہ جما رکھا ہے۔ اور اس کو دیکھو تو وہ لہو ولعب میں ایسا لگا ہوا ہے کہ اسے کوئی غم ہی نہیں ہے۔ کوئی ہے کہ کسی بدکردار عورت ہی کے پیچھے دوڑ لگا رہا ہے اور صہباء وستار اس کے خدا بنے ہوئے ہیں۔ ادھر شرک وکفر کی فوجی ٹکڑیاں آن پہنچی ہیں اور ادھر فرنگی ان کو حکم کر رہا ہے اور اس کے اشارہ پر یہ سازشیں رچ رہی ہیں۔ باپ اور بھائی، بہن کو داغ مفارقت دے

چکے ہیں اور موت بستیوں میں پر پھیلاتی جا رہی ہے۔ وہ بے گھر و بے سہارا برف پوش پہاڑوں پر بیٹھی انتظار میں نوحہ کناں ہے۔ دشمن ہنس رہا ہے اور ہمارے دامن میں آہ و بکا ہے اور اس سب ظلم و ستم کا جواب بس ایک اور صرف ایک کانفرنس کے انعقاد سے آگے کچھ نہیں دیا جا رہا)

اور آخر میں چیچنیا کی طرز کی مسلح جدوجہد کی پر جوش اپیل کرتے ہوئے شاعر کہہ رہا ہے:

الله اكبر عز منزلها
مع الحديد تدك من كفروا

الروس قد هجمت و لو علمت
أنا هناك أصابها الذعر

الله اكبر أين فزعتنا
فوق الحريق تطاير الشرر

الله اكبر أين فارسنا
عاش الذي للحق ينتصر

(بلند مقام تکبیر اللہ اکبر، آہن کے ساتھ مل کر کفر کی اینٹ سے اینٹ بجادے گی۔ روسیوں نے حملہ تو کر دیا لیکن اگر ان کو معلوم ہو جاتا کہ ہم بھی وہاں ہیں تو ان پر دہشت چھا جاتی۔ اللہ اکبر! ہمارا وہ گھبرا کر ایکدم ہلہ بولنا کہاں چلا گیا آگ کی چنگیاریاں ہر چہار طرف پھیل رہی ہیں۔ اللہ اکبر! کہاں ہے ہمارا شہ سوار، کہ زندہ باد ہے اس شخص کو جو حق کی مدد کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔)

القدس والشيشان في خطر
وكلاهما للغوث يفتقر

الله أكبر من مؤامرة
كل الأعادي سوف تندحر

یـا إخـــوة الإسلام لاتهنوا

بـعـد الـعـواصف يـورق الشجر

(قدس وچیچنیا دونوں خطرہ میں ہیں اور دونوں مدد کے محتاج ہے۔ اللہ اکبر ہے اس سازش کے مقابلہ میں اور سارے ہی دشمن عنقریب پسپا ہو جائیں گے۔ برادرانِ اسلام! کمزور نہ پڑنا کہ آندھیوں کے بعد ہی درخت برگ و بار لاتے ہیں)

پان اسلامزم:

جیسا کہ شروع میں عرض کیا جاچکا ہے کہ عربوں کے ایک بڑے طبقہ نے ادھر العروبۃ سے پان اسلامزم کی طرف خاصا فکری شفٹ لیا ہے۔ اسے مذکورہ بالا 'الـقـدس والشيشـان' اوراس جیسی متعدد نظموں میں واضح طور سے محسوس کیا جاسکتا ہے جس میں عرب شاعر قدس کے عربی قضیہ کے ساتھ ساتھ 'الشیشان' کے غیر عربی لیکن مسلم کاز کو بھی نہیں بھولتا۔ اس کے علاوہ اس سلسلہ کی کڑیوں میں ان خوبصورت شعری تخلیقات کا ذکر بھی بجا ہے جو افغانستان، کوسوا، اتھیوپیا وغیرہ میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی ٹریجڈیز سے متعلق موضوعات پر ظہور میں آئی ہیں۔

ایسے ہی ایک قصیدہ کا عنوان ہے 'لاتـلـمـني' (١٦) جس کی وجہ تالیف پر ایک سطر خود شاعر کی زبان میں یہ ہے: إلي الذي قال "أما تري أن قصائدك في الجهاد الأفغاني قد ذهبت هباء؟!" قصیدہ کے چند منتخب اشعار ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

لاتـلـمـني حيـن نـاصرت الجهاداً

أنـــا مـــا نـــاصـرتــه إلا جهـــاداً

أنـا أبـصـرت الضحىٰ، والـيل داجٍ

فتيـمـمـت الـضـحـىٰ أبغي الرشادا

ورأيــت الــجسر ممتداً أمامي

كــلــمـــا لامستـــه زاد امتدادا

أنا أبصرت رجالا علمونا
لغة تأبي خضوعا وانقياداً

(اس جہاد کی نصرت کرنے پر اے مخاطب! تو مجھے ملامت نہ کر کہ میں نے اس کی نصرت محض جہاد ہی کی نیت سے کی ہے۔ اندھیری رات تھی اور مجھے صبح روشن نظر آئی تو راہ یابی کے لیے میں نے اسی کی طرف رخ کرلیا۔ اپنے سامنے مجھے ایک ایسا پل بچھا ہوا دکھا کہ جوں جوں میں نے اس کو چھوا وہ اور دراز ہوتا گیا۔ میں نے ایسے مردانِ باصفا کو دیکھا جنھوں نے ہم کو ایسی زبان سکھائی جو باطل کے سامنے جھکنا اور گھٹنے ٹیکنا جانتی ہی نہیں۔)

وجدتهم روسيا سداً منيعاً
منعوا طوفانها أن يتمادى

نفروا في نصرة الحق رجالا
ونساء، وجموعا وفرادى

فرأينا صورة تطفح نوراً
ورأينا مجدنا الماضي معادا

وشباباً فتحوا باب المعالى
وأحالوا لهب الباغي رماداً

(روس نے ان کو ایسا مضبوط باندھ پایا جس نے ان کے طوفان پر مزید آگے بڑھنے سے روک لگادی۔ وہ سب مرد، عورت، انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر حق کی نصرت کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ ہمیں نور سے چمکتی ہوئی تصویریں نظر آنے لگیں اور اپنی عظمت رفتہ واپس آتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔)

ورأيناهم صفوفاً في صلاة
وعيونا نفضت عنها الرقاداً

تـخـذوا مـن مـنـهـج الإسلام نبعـاً ـ
ومــن الـــقـــرآن والســنة زاداً

حينهـا أرسلـت للشعر عنـانـا
وجعـلـت اللغة الفصحي جواداً

وامتشقت الأحرف البيضاء سيفا
"هـنـدوانيّاً" وأوريت الزناداً

(اور ایسے جوان جنھوں نے بلندیوں کا دروازہ وا کردیا اور سرکش کے شعلوں کو راکھ کردیا۔ ہم نے ان کو نماز میں صف در صف اور ایسی آنکھوں کی شکل میں دیکھا ہے جنھوں نے نیند کو جھٹک کر پھینک دیا۔ راہِ اسلام کو انھوں نے بطور سرچشمہ کے قبول کیا اور قرآن وسنت کو زادِراہ بنالیا۔ تب میں نے بھی شعر کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی اور زبانِ فصیح کو اپنا گھوڑا بنالیا، روشن حروف کی ہندوستانی تلوار، سونت لی اور چنگاری سے آگ بھڑکا دی۔)

وبثثـت الـود لـلأحبـاب حتى
خـلـت أنـي اكتب الشعـر وداداً

ايهـا الـلائـم هـل تـنـكر منى
فـرحة لـمـا رأيـت الـحق سـادا

ورأيـت الـمـارد الـروسـي يطوى
ثـوبـه الـمـصبـوغ بالظلم سوادا

ورأيـنـا فـكـره يـغـدو هبـاء
بـعـد أن كـان بـه يـغـوي العبـادا

(میں نے اپنے پیارے دوستوں کے لیے ایسی محبت بکھیری کہ مجھے اپنا کلام سراپا محبت لگنے لگا۔ اے ملامت گر! کیا غلبۂ حق سے میری خوشی پر تجھ کو اعتراض ہے یا روسی قاہر کو ظلم کا اپنا کالا لبادہ لپیٹتے دیکھ میرے خوش ہونے پر اور اس بات پر کہ

اس کا وہ نظریہ جس سے وہ بندوں کو گمراہ کر رہا تھا بیکار ہو رہا ہے۔)

دوسری نظم 'إخوان سالم' (۱۷) چیچنیا سے متعلق ہے وجہِ تالیف شاعر ہی کے الفاظ میں: "هذه القصيدة مهدلة لأسرة الشهيد سالم العجمي الذي استشهد في الشيشان... الخ" قصیدہ کی شروعات اس طرح ہوتی ہے:

يا سالم الخير أنت الفارس البطل
في صدرك الحب والإيمان والأمل

لما تقاعس قوم قال قائلهم
"ماذا نقدم للشيشان؟ ما العمل"؟

خرجت لله بالعباس مقتدياً
عم النبى، وما ضاقت بك الحيل

سريت تجتاز أحراسا وأسلحة
في فتية نحو أرض العز تنتقل

الله اكبر من روس وإخوتهم
وزمرة الشرك بالأحفاد تعتمل

(اے سالمِ خیر تو ایسا بہادر شہ سوار ہے کہ تیرا سینہ محبت، ایمان اور امید سے پُر ہے۔ جب قوم پیچھے ہٹ گئی تو ان میں سے کسی نے کہا کہ ہم چیچنیا کو کیا پیش کر سکتے ہیں؟ ہم کو کیا کرنا چاہیے؟ تو عمِ رسول حضرت عباس کی اقتداء کرتے ہوئے تو اللہ کی راہ میں نکل کھڑا ہوا اور عذر تجھے روک نہ سکے۔ سرزمینِ عزت کی طرف جاتے ہوئے جوانوں کے ہمراہ تو رات میں نگہبانوں اور اسلحہ پر سے گزرتا رہا۔ روس اور اس کے بھائی بندوں اور چیلے چپاٹوں کے ساتھ کام کرنے والے مشرک گروہ کے مقابلہ میں تکبیرِ اللہ اکبر۔)

ماضی اور وطنِ عربی سے ناطہ جوڑتے ہوئے شاعر آگے کہتا ہے:

فـصـل الشتـاء قـضـاه بين إخوتـه
لان الــحـديـد لهـم وانشـقت السبل

فـوق الـجبـال وفي الميدان منطلقا
تـرجـوا الالــه بـأرض مـا بها كسل

ذكّــرتـنــا جيلَ فتح من أوائلنـا
فـي البر في البحر فوق الموت قد نزلوا

(موسمِ سرما اس شہید نے اپنے ان بھائیوں کے درمیان گزارا جن کے لیے لوہا موم بن گیا اور راستے کھل گئے تھے۔ کوہساروں اور میدان پر سے گزرتے ہوئے، خدا سے ایسی سرزمین کی درخواست کرتے ہوئے جہاں سستی کا گزر نہ ہو۔ وہ سرزمین جس نے ہمارے ان پہلے ظفریاب بزرگوں کی یاد تازہ کردی جنھوں نے بحرو بر میں موت پر پڑاؤ کیا تھا۔)

آگے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ جاری رہتا ہے:

وراء جيـحـون قد كانت مصارعهم
لـلــه قـد صبـروا لـلهـمَّ قد حملوا

جـاوؤا مـن البيد في نجد منازلهم
لـم يـرهبوا الثلج لم يمنعهم الجبل

الـلــه اكبـر لـحـن غـاب من زمن
طــاب الـنشيـد فـلا عذر ولا علل

(نہرِ جیحون کے اس طرف انھوں نے موت کو گلے لگایا۔ اللہ ہی کے لیے ان کا صبر تھا اور ہمت کے کام کے لیے وہ کمر بستہ تھے۔ وہ صحراء سے آئے تھے اور نجد میں ان کے ٹھکانے تھے مگر نہ تو وہ برف سے ڈرے نہ فلک بوس پہاڑ ان کی راہ روک سکے۔ اللہ اکبر کا نغمہ کتنے عرصہ سے غائب تھا۔ کیا ہی عمدہ ترانہ ہے سو اب نہ کوئی عذر باقی رہ گیا نہ کوئی حجت)

لیکن اس سب کے باوجود شاعر قدس کے عربی قضیہ کو بھی نہیں بھولتا وہ قدس کو خطاب کرتے ہوئے بہت پُر امید لہجہ میں کہہ رہا ہے:

یاقدس لاتیأسي ان العرین به
أسد الشری وشباب مابهم ملل

أهل الشریعة نور یستضاء به
في حالك اللیل هم أقمارنا الأول

إخوان سالم كثرٌ في معاهدنا
حلم وعلم بأمر الدین قد شغلوا

شهیدهم بطل من نوره قبست
كل القلوب وهذا النور یشتعل

بشریٰ لقوم أبو العباس رائدهم
والحور عند شهید الحق تحتفل

(اے قدس! تو مایوس نہ ہو کہ ابھی کچھار میں مقام شری کے شیرِ نر موجود ہیں اور ایسے جوان جن میں اکتاہٹ نہیں ہے۔ یہ حاملین شریعت ایسے نور سراپا ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اندھیری رات میں وہی ہمارے چاند ہیں۔ سالم شہید جیسے اس کے بھائی ہمارے اداروں میں کم نہیں ہیں جنھوں نے حلم و بردباری اور علم دین کو اپنا مشغلہ بنا رکھا ہے۔ ان کا یہ شہید (ساتھی) ایسا بہادر ہے کہ جس کے نور سے سبھی قلوب مستفیض ہوئے ہیں اور اب یہ نور شعلہ بن کر لپک رہا ہے۔ بشارت اس جماعت کے لیے کہ ابوالعباس جن کا پیشرو ہے اور شہید حق کے نزدیک حوریں خوشیاں منا رہی ہیں)

هموم شیشانیه (۱۸) ایک دوسرا قصیدہ ہے جس میں خالص مسئلہ چیچنیا کو ہی موضوع بنایا گیا ہے۔ چار بندوں پر مشتمل اس نظم کے پہلے بند کا ایک شعر ہے:

وقفت أحرفي الجريحة حيرى
فزعا مما حل في الشيشيان

(چیچنیا پر جو مصائب کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں اس کو دیکھ میرے مجروح حروف گھبراہٹ میں ہکا بکا کھڑے ہیں۔)

دوسرا بند ان اشعار سے شروع ہوتا ہے:

الصليبية القديمة عادت
من جديد لكن بوجه ثاني

خسرت جولة وها هي جاءت
وستأتي إن تخسر الجولتان

ليست الحرب بين شعبين بل مع-
-ركة بين الكفر والإيمان

(وہی پرانی صلیبی جنگیں از سرِ نو ایک نئے چہرہ کے ساتھ آئی ہیں۔ایک دور تو وہ ہار چکی ہیں اور اب پھر آئی ہیں اور اگر وہ یہ مقابلہ بھی ہار گئیں تو وہ پھر اس کے بعد بھی ضرور دوبارہ آئیں گی۔ یہ معرکہ دو قوموں کے درمیان نہیں بلکہ یہ تو کفر و ایمان کا معرکہ ہے)

اس کے بعد چیچنیا ٹریجڈی کے چند دردناک مناظر بیان کرنے کے بعد تیسرے بند میں ان واقعات کے تعلق سے مغربی دنیا کی پالیسیوں اور دوہرے معیار پر کھلی اور تیکھی تنقید کی گئی ہے۔ یہ بند بہت جاندار ہے۔شاعر کہتا ہے:

ما لأوروبا لم تقل أي شئ
عن أساهم، أما لها عينان؟

صمتها عن إدانة الروس ضوء
أخضر للتقدم العدواني

أو تبقى في الظل لو كان من يبـ
بغي عليه من أمة الصلبان؟

ما رأينا من ساسة الغرب لما
غضبوا غيز كلمة استهجان

أنفس عاثت الضغائن فيها
وقلوب تموج بالشنآنِ

ليس تنهي تلك المعاناة باستهـ
بجانهم أو بشجب كوفي أنان

(یوروپ کو کیا ہوگیا ہے کہ (چیچنیا والوں پر ہونے والے ظلم وستم کے خلاف) اظہارِ افسوس میں اس کے منہ سے حرفِ غلط کی طرح بھی کچھ نہیں نکلتا؟ کیا اس کی آنکھیں نہیں ہیں؟ روسیوں کی مذمت کرنے کے بجائے اس کی یہ خاموشی حقیقت میں اس جارحانہ اقدام کو ہری جھنڈی دکھانے کے مرادف ہے۔ اگر مظلوم اہلِ صلیب میں سے کوئی ہوتا تو بھی یوروپ یوں ہی ایک طرف رہتا؟! اور اگر کہیں مغرب کے اہل سیاست نے غصہ ظاہر بھی کیا تو اس سے زیادہ نہیں کہ مذمت کے کچھ ظاہری الفاظ کہہ دیئے۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ ایسے باطن ہیں جن میں کینہ کا دور دورہ ہے اور ایسے دل ہیں جن میں متعصّبانہ عداوت جوش مار رہی ہے۔ یہ بپتا کہیں محض ان کی خدمت کرنے یا کوفی عنان کی تنقید سے کٹنے والی ہے؟۔)

زعموا العدل نهجهم فالنصارى
وسواهم ـــ أمامهم ـــ سيان

وإذا ما استشرى نزاع وكانوا
طرفا طاشت كفة الميزانِ

إن فيما جري قريبا بتيمو
ر لبرهان ماثل للعيانِ

ماسعت لاستقلالها ودعت بالـ
بغرب حتي نالته دون توانى
كيف نرجو الإنصاف والعدل ممن
رضعوا بغضنا من 'لألبان

(دعویٰ تو یہ لوگ کرتے ہیں کہ عدل وانصاف ہمارا راستہ ہے اور نصاریٰ یادوسرے سب ہمارے نزدیک برابر ہیں لیکن اگر کہیں کوئی نزاع چھڑ جائے اور یہ خود بھی اس میں فریق ہوں تو ترازو کا پلڑا جھک جاتا ہے۔ابھی کچھ دنوں قبل تیمور (انڈونیشیا کی مسیحی اکثریت والا جزیرہ) میں جو کچھ ہوا وہ آنکھوں کے سامنے کا ایک کھلا ثبوت ہے کہ اس نے آزادی کی کوشش کی نہیں اور مغرب والوں کو آواز دی نہیں کہ فوراً بلا تاخیر ہی اس کو آزادی حاصل ہوگئی۔ہم ایسے لوگوں سے عدل وانصاف کی امید کر بھی کیسے سکتے ہیں جن کو ہمارا بغض وحسد ماؤں کے دودھ کے ساتھ پلایا گیا ہو؟!)

اور پھر آخری بند میں اپنی قوم کو یوں جھنجھوڑا گیا ہے:

أيها الغافلون ماذا دهاكم
لم تهبوا لنجدة الأوطان
انقذوهم من الهلاك ولما
تبتلعهم بحيرة الشيطان

(ارے غافلو تم کو کیا مصیبت آئی کہ قوم کی مدد کے لیے کھڑے نہیں ہوتے؟! بڑھ کر ان کو اس سے پہلے ہلاکت سے بچالو کہ ابھی شیطانی جھیل نے ان نگلا نہیں ہے)

'مسرح الهلاك' (۱۹) نامی نظم اتھوپیا میں قحط سے مرنے والوں سے متعلق ہے۔عنوان کے نیچے تحریر ہے:"بينما يخوض العالم غمار العولمة، ويدعي ان بها صلاح العالم. تنبعث مأساة اثيوبيا. لتكون شاهد عيان آخر بعد

الشيشان علي كذب هذه العولمة.. هذه قصيدة.. قصة طفل يرويها علي... مسرح الهلاك..“

(عالمگیریت اوراس کے منافع کے بلند بانگ دعووں کے درمیان، اتھوپیا کا یہ المیہ، چیچنیا کے بعد اس عالمگیریت کے منہ پر ایک طمانچہ ہے۔ موت کے سوانگ میں یہ کہانی ایک بچہ نے کہی ہے) انداز نہایت موثر اور زبان سادہ ہے۔

یامسلمون حکایتی　　تبکي الصخور مع الجماد
تبکي العیون وتزرع الـ　　ـأحزان فی عمق الفؤاد
أبطالها أهلي وقد　　صیغت علي هذي البلاد

(برادرانِ اسلام! میری داستانِ غم جامد چٹانوں تک کو رلا دینے والی ہے، آنکھوں کو اشکبار اور غموں کو دل کی گہرائیوں میں ثبت کرنے والی ہے۔ اس داستان کے کردار میرے اہل خاندان ہیں اور اس کا پلاٹ میرا ملک ہے)

اس کے بعد ”ڈرامہ“ میں ہلاکتوں کے مختلف مناظر کا بیان شروع ہوتا ہے:

فتح الستار، وصفقت　　کف المنون بلا اتئاد
ومضت مشاهد قصتی　　تاتي تباعاً بازدیاد

(اسٹیج کا پردہ کھلتا ہے اور موت اپنے ہاتھوں سے لگاتار تالیاں پیٹتی ہے۔ اور اس کے بعد میری کہانی کے مناظر ایک کے بعد ایک اور ایک سے بڑھ کر ایک آتے چلے جاتے ہیں)

اب موت کے اس کھیل کے مناظر کچھ اس طرح سامنے آتے ہیں:

أولي المشاهد طفلة　　تبکي وتصرخ في اشتداد
عطشی تفتت کبدها　　وتصیح تطلب بعض زاد
تبکی، وتصمت فجأة　　ماتت علي فرش المهاد
فـي دمعها عتب وآ　　هات وآمال تشاد

(پہلا منظر: ایک چھوٹی سی بچی جو بہت بہت زور زور سے چلا کر رو رہی

ہے۔ وہ پیاسی ہے، اس کا جگر شق ہوگیا ہے اور چیخ کر کچھ بھی کھانے کو مانگ رہی ہے۔ روتے روتے وہ یک لخت چپ ہو جاتی ہے اور اپنے پالنے میں موت سے ہم آغوش ہو جاتی۔ مرنے پر بھی اس کے اشک اب تک سلگ رہے ہیں۔ اس کے آنسوؤں میں غصہ بھی ہے آہیں بھی ہیں اور کچھ امیدیں بھی)

دوسرے منظر میں ملک کی عمومی ابتری یوں بیان کی گئی ہے:

ثاني المشاهد أرضنا　　صفراء زاوية البواد
في كل جزء جثة　　ملقاة تملأ كل واد
ذوت الزهور ولم تعد　　تسطيع سمع اليوم شاد
كل العنادل أخرست　　وتجللت ثوب الحداد
والريح تعصف كي تسفـ　　ـف الرمل، تنتشل الرماد
وتسوقه في بقعة　　ليزيد محصول الكساد

(دوسرا منظر: ہماری زرد اور مرجھائی ہوئی آبادیوں والی سرزمین۔ ہر گوشہ میں ہر طرف کوئی نہ کوئی لاش بکھری پڑی ہے۔ پھول کمھلا گئے ہیں اور ان میں اب گیت سننے کی سکت نہیں رہ گئی ہے۔ ساری عندلیبانِ چمن گونگی اور خاموش ہو کر ماتم کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ ہوا ہر طرف خاک اڑاتی پھر رہی ہے اور دھول و خاکستر کو اس قطعہ ارض میں اس لیے لا کر ڈال رہی ہے تاکہ معاشی ابتری میں کچھ اور اضافہ ہو جائے)

ڈرامہ ختم ہونے سے پہلے اس کے مرکزی کردار اور اصل واقعہ رونما ہوتا ہے۔ جس میں شاعر نے خود اپنے گھر والوں کے دردناک انجام کو یوں بیان کیا ہے:

قبل الختام بطولتي　　والموت ماض في تماد
أمي أبي أختي أخي　　الكل ياقومي يباد
هذا أبي ذا قبره　　إني لأذكر ما أراد
قد كان يطلب شربة　　أو كسرة من بعض زاد

والعين تذرف دمعها　　والقلب يحرقه اتقاد
لكنه قد مات في　　ألم ولم يأت المراد
وذهبت كي أنعي الحبيـ　　ـب إلي الحبيبة في إرتعاد
"أماه" ثم رأيتها　　جنب الفراش بلا وساد
ورأيت فوق ذراعها　　أختي الصغيرة في المهاد
فصرخت: "يا أماه" لـ　　ـلكن لم تجب صوت المناد
ماتت وماتت أختي الصـ　　ـغري بجور وإضطهاد

(پھر ڈرامہ ختم ہونے سے پہلے اس کے مرکزی کردار سامنے آتے ہیں اس حال میں کہ موت پوری سرکشی وغارتگری کے ساتھ بڑھی چلی آرہی ہے۔ میری ماں، باپ،، بہن، بھائی لوگو! سب فنا ہوجاتے ہیں۔ یہ دیکھو یہ میرے باپ کی قبر ہے، مجھے خوب یاد ہے کہ مرتے وقت اس نے کتنی سی بات چاہی تھی وہ صرف ایک گھونٹ پانی یا روٹی کا ایک ٹکڑا مانگ رہا تھا، اس کی آنکھیں بہہ رہی تھیں اور دل میں آگ سی لگی تھی۔ لیکن پھر وہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر مرگیا اور اس کی یہ درخواست پوری نہ ہوسکی۔ میں لزرتا ہوا شریک حیات کی موت کی خبر شریک حیات کو سنانے کے لیے گیا، 'اماں'! لیکن دیکھتا کیا ہوں کہ وہ بستر کے پاس بغیر تکیہ پڑی ہے اس کے آغوش میں اس کی بانہہ پر سر رکھے میری ننھی بہن بھی وہیں پڑی ہے۔ میں نے زور سے پھر پکارا ''اماں!'' لیکن وہاں جواب دینے کو اب باقی کون تھا؟!۔ وہ بھی اس ظلم کا شکار ہوچکی تھی اور میری ننھی سی بہن بھی)

اور آخر میں مفلوک الحال ملک میں ایک تباہ کن جنگ کے منظر پر ڈرامہ انجام کو پہنچتا ہے۔

أما الختام فمشهد　　للحرب في هذه البلاد
دوت مدافع جيشنا　　وأثارت اليوم الزناد
وتساقط الالاف من　　جرحى يمدون الأياد

(انجام میں ملک میں ایک جنگ کا منظر ہے۔ ہماری فوج کی توپیں گرجتی ہیں اور چنگاری بھڑکا دیتی ہیں۔ ہزاروں زخمی ہاتھ پیارے ہوئے ڈھیر ہو جاتے ہیں)

اسٹیج کا پردہ گرتا ہے اور شاعر عام مسلمانوں کو امداد کی ترغیب دیتا ہے۔

سدل الستار، وصفقت　　كف المنون بلا اتئاد
هذي حكاية أرض أو　　جادين يكتبها المداد
يامسلمون بربكم　　فلتنهضوا نحو الرشاد
ولتدفعوا أموالكم　　هبوا أما فيكم جواد؟

(موت اسی طرح لگاتار اپنی ہتھیلیوں سے تالی پیٹ رہی ہے۔ پردہ گرتا ہے۔ یہ سرزمینِ اوجادین کی سرگزشت ہے جسے روشنائی نے لکھ دیا ہے۔ مسلمانو! تمہیں تمہارے رب کی قسم: راہِ صواب کی طرف چلنے کے لیے اب تم اٹھ کھڑے ہو۔ اور اپنے مال پیش کرو۔ کیا تمہارے اندر اب کوئی سخی باقی نہیں بچا؟!)

آخری شعر میں "كان الله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه" کی حدیث شریف کو یوں نظم کیا گیا ہے۔

فالله يرزق عبده
ماكان في عون العباد

(کیوں کہ اللہ اس وقت تک اپنے بندہ کو روزی دیتا رہتا ہے جب تک وہ دوسرے بندوں کی مدد کرتا رہتا ہے)

پچھلے سالوں میں کوسوا پر بھی اسلامی عربی مجلّات میں خاصا اور بہت خوب لکھا گیا ہے۔ اسلامی شعراء کے اس سلسلہ کے نتائج فکر کا احاطہ بھی اس مختصر کتاب میں مشکل کام ہے۔

'كوسوفا۔ جراح جديدة' (٢٠) اور 'آهات في زمن التيه' (٢١) اس موضوع پر کہی گئی آزاد نظموں کی بہترین مثال ہیں۔ اول الذکر نظم پیش ہے جس میں بے پناہ بے کسی اور کرب بھی ہے، مسلمانوں اور عربوں کے شاندار ماضی کی صدائے

بازگشت بھی ہے اور دور کہیں مستقبل کے دھندلکے میں جھلملانے والی فتح ونصر کی موہوم سی امید بھی!

كسوفا
جراحٌ جديدةٌ بنفس الجسدْ
فهل من أحدْ؟!
كسوفا
وينسلُ نفس القلمْ
يحاربُ في ساحة
ليس فيها أحدْ
يحاربْ
طواحين مستعرضة
وخيل المعارك في خدرها لم تزلْ
مبرقعة تستحي أن يراها أحدْ
يقول المضمّرُ: ليس لديّ سروجْ
فآثرت أن تسمن الخيل
حتي الثمالةْ
وآثرت ان لا يراها أحدْ
وفارسها قد اقل الطريق الي
المنتجع
وآثر أن يبتعدْ
تقول الروايةُ:
وكانت خيولٌ تسوق الرياحْ
وتغدو خماصًا إذا جاء
وقت النفير

کوسوا
پھر اسی پرانے بدن پر نئے زخم
ہے کوئی مددگار؟!
کوسوا
پھر وہی پرانا قلم باہر نکلتا ہے
ایسے میدانِ جنگ میں لڑنے کے لیے
جس میں کوئی باقی نہیں بچا ہے گھات لگاتی
ہوئی پن چکیوں سے لڑنے کے لیے اور
میدانِ جنگ کے گھوڑے ہیں کہ برقع
پہنے ہوئے اب تک اپنی خواب گاہوں
میں لجا رہے ہیں کہ کوئی ان کو دیکھ نہ لے!
سائیس کہتا ہے کہ میرے پاس زینیں باقی
نہیں بچیں اس لیے میں نے بہتر سمجھا کہ
گھوڑے خوب فربہ ہو جائیں اور کسی کی
نگاہ ان پر نہ پڑے! اور خود ان کا شہسوار
سوار ہو کر دلدل کی راہ پر ہو لیا
اور اس نے دور چلے جانے کو ہی بہتر سمجھا
قصہ میں آیا ہے کہ:
وہ کچھ گھوڑے تھے جو ہواؤں کو ہنکایا
کرتے تھے
اور جنگ کی للکار پر وہ خالی پیٹ ہی نکل
کھڑے ہوتے تھے

وفي جيدها قد تدلى..
جراب السيوف وحب الشعيرْ
وفي رحلة الأوب تبدو بطاناً
بنصر وفيرْ
وفارسها كان حرّ الجناحْ
يجيب اذا ما دعاه الكفاحْ
ويخرس اي نباحْ
وملكان يوما ليرضي لأرض تُباحْ
كسوفا سلامٌ عليكِ...
مع الأولينْ
وداعاً فليس لدينا خيولٌ تجيبْ
وما عندنا غير بعضِ
الحروفْ
وبعض القوافي وبعض الفتاتْ
فهل تستعيدي بهذا الفتاتِ
قِلاعَ المدينةْ
وهل تمنعين بتلك القوافى
معاول "صِربٍ" ..
تحيل الحقول قبور

ان کی گردنوں میں تلواروں کی نیا میں اور جو کا دانا لٹک رہا ہوتا تھا
اور واپسی کے سفر میں زبردست فتح و کامرانی سے وہ پر شکم نظر آتے تھے
اور ان کا شہسوار بھی بے باک اور آزاد عمل تھا کہ جب جدو جہد اسے آواز دیتی تھی تو وہ لبیک کہتا تھا
اور بھونکنے والے کی آواز کو خاموش کر دیتا تھا
اور کسی وقت بھی اس بات پر آمادہ نہیں ہوتا تھا کہ کوئی سرزمین بھی دشمن کے لیے مباح کر دی جائے۔
کوسوا، تجھ پر سلام ہو
پہلوں کے ساتھ
الوداع کہ اب ہمارے پاس ایسے گھوڑے نہیں رہ گئے جو پکار پر لبیک کہتے،
ہمارے پاس کچھ حروف وقوافی اور بچے کچے چند ٹکڑوں کے علاوہ کچھ باقی نہیں بچا
تو اے کوسوا! ان ٹکڑوں کی بنیاد پر تو شہر کے قلعوں کی بازیابی کرے گا؟!
کیا ان قافیوں سے تو سربیا والوں کے ان تیشوں کو روک لے گا جو مرغزاروں کو قبروں میں تبدیل کیے دے رہے ہیں؟!

اگلے چند اشعار میں شاعر ماضی کے اسی نوع کے اور نقصانات کا تذکرہ کرکے آخر میں پر امید لہجہ میں اپنی آزاد نظم کو ختم کرتا ہے:

وداعاً كسوفا

كما ضاع فردوسنا المستلب

وداعًا.. كما ودعت قدسنا

و "الخليل"

فليس الزمان زمان الفوارسْ

وليس الزمان زمان الجهادْ

وداعاً..

وقبل الرحيل أذكّر:

سيرجع يوماً صهيل الخيول

ويرجع يوماً زئير الاسودْ

فلاتقنطوا أيها المبعدونْ

ولاتيأسوا أيها المقبرونْ

فتلك القبور ستبقي شهودْ

تذكر دوماً بيوم النفيرْ

وهذا التراب الطهورْ

سينبت يوماً..

سيوفا وشوكاً..

سينطق يوماً

فيُخرس اي بُغام نكير

وصبر جميل

فقولوا معي أيها المبعدون:

سلام عليك كسوفاً مع الأولين

کوسوا تجھے بھی خیر باد ہو

جس طرح ہماری چھینی ہوئی فردوس ہم سے جاتی رہی

خیر باد، جیسے 'قدس' اور 'خلیل' کو خیر باد کہا جا چکا

کہ زمانہ اب شہسواروں کا زمانہ نہیں؟

اور زمانہ اب گھوڑوں کا نہیں رہا خیر باد!!

لیکن رخصت سے قبل میں یاد دلا دوں:

کہ ہنہناتے ہوئے گھوڑے ایک دن واپس آئیں گے۔

شیروں کی دہاڑ ایک دن پھر گونجے گی۔

سوا ے جلاوطنو! تم ناامید نہ ہو!

اور درگور لوگوں تم مایوس نہ ہو!

کیوں کہ یہ قبریں گواہ رہیں گی

اور ہمیشہ جنگ کی پکار کے دن کو یاد دلاتی رہیں گی۔

اور یہ پاکیزہ مٹی ایک دن تلواریں اور کانٹے اپجائے گی۔

وہ ایک دن بول اٹھے گی

اور وہ ہر مکروہ اور ناپسندیدہ بکواس کو خاموش کردے گی

تو صبر جمیل اختیار کرنا ہے۔

اے جلاوطنو! آؤ میرے ساتھ تم بھی کہو

"اے کوسوا سلام ہو تجھ کو، پہلوں کے ساتھ"

اسی سلسلہ کی ایک اور نظم "طفلة البانية" (٢٢) نامت على حلم.. واستيقظت على كابوس!!" میں جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے ظالمانہ جنگ میں بری طرح زخمی ہونے والی ایک معصوم پھول سی بچی کے جذبات کی نہایت جذباتی تصویر کشی ہے:

شطيرتي، لعبتي، مشطي وفستاني
اين اختفت، أين أهلي، أين جيراني؟
امي، أبي، جدتي، اطفال حارتنا
ضفيرتي، بسمتي، ماذا تغشاني؟
من هولاء... جموع لست اعرفهم
ياويلكم.. أين ساقي، أين اسناني؟
ألن أسابق أصحابي واتبعهم
ياويلكم.. أين أمي، كيف تنساني؟

(میرا اسنڈوچ!؟ میرا کھلونا؟! میری کنگھی؟! میرا فراک؟! سب کہاں چلا گیا؟! میرے گھر والے میرے پڑوسی کہاں ہیں؟! امی؟ ابو؟ دادی اماں؟ محلے کے بچے؟ میری چٹیا اور ربن؟ میری مسکراہٹ؟ یہ سب مجھے کیا ہوا؟! یہ میرے چاروں طرف جمع انجان لوگ کون ہیں؟ ارے!! میری پنڈلی کہاں گئی؟ اور میرے دانت کیا ہوئے؟ کیا اب میں اپنے دوستوں کے ساتھ پکڑم پکڑیا کبھی نہیں کھیلوں گی.. میری امی کہاں ہیں؟ وہ مجھ کو آخر کیسے بھول گئیں؟)

طفولتي من أباح اليوم حرمتها
ماذا جرى، هل أنا في حضن أوطاني؟
لاتكذبو هذه ليست سماوطني
هيا ارجعوا بي إلي أرضي واخواني
أرضي هناك "كوسوفا" حيث مدرستي
سبورتي، شنطتي، طيري وأغصاني

أسوق دمعي إليكم أرجعوا قدمي
فلن أقطع — وعداً — ورد بستاني
أتسمعون كلامي أرجعوا قدمي
عقاب استاذتي شد لآذاني

(یہ میرے معصوم بچپن کے احترام کو آج کس نے اٹھادیا؟ یہ ماجرا کیا ہے؟ کیا میں اپنے مادرِ وطن کے آغوش میں ہوں؟ مجھے جھوٹ نہ بہکاؤ، یہ میرے وطن کا آسمان کہاں ہے؟ چلو مجھے واپس میری ارضِ وطن اور بھائیوں کے پاس لے چلو۔ میری ارضِ وطن تو وہاں کوسوا میں ہے جہاں میرا اسکول ہے، میری سلیٹ اور بستہ ہے، میری چڑیائیں اور جھولتی ہوئی ٹہنیاں ہیں۔ دیکھو میں آنسو بہا کر تم سے کہتی ہوں کہ میرا پیر مجھے واپس دلا دو میں وعدہ کرتی ہوں اب کبھی اپنے باغیچے سے گلاب نہیں توڑوں گی۔ کیا تم لوگ سن نہیں رہے ہو؟ میرا پیر مجھے واپس دلا دو نا! میری ٹیچر تو مجھے بس کان کھینچ کر سزا دیتی ہیں!)

اس معصوم تمنا کے جواب میں نظم کے دوسرے بند میں شاعر بڑے درد کے ساتھ کوسوا کی بپتا بیان کرتا ہے:

صغيرتي.. آه لو تدري بما صنعت
يد النصاري بكوسوفا و ألبانِ!
أجساد إخوتها صارت مبعثرة
وأختها تحت علج خلفه الثاني
وامها في طريق التيه هائمة
ببردة عافها العاري وأحزانِ
تسير في لجة الاكدار يضربها
سوط الشتاء وخلف الأم جيشان

(اری منی! ہائے اسے کیا خبر کہ کوسوا اور البانیوں پر نصاریٰ نے کیا کیا ستم

ڈھائے ہیں۔ اس (بچی) کے بھائی بہنوں کے اعضاء بدن بکھرے پڑے ہیں اور اس کی بہن ایک فرنگی کے قابو میں ہے اور دوسرا اس کے پیچھے انتظار میں ہے۔ اس کی ماں، کسی برہنہ شخص کی چھوڑی ہوئی چادر میں ملبوس حیرانی کی راہ پر سرگرداں وافسردہ پھر رہی ہے۔ ناگواریوں کے سمندر میں وہ چلی جارہی ہے سردی کا تازیانہ اس کو مار رہا ہے اور دو لشکر اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔)

جيش من الجوع باتت لاتقاومه
فقد تغدى فتات الخبز طفلان

وجيش صرب تمادي في تبجحه
لصمتنا عن حمي قدس وجولان

أأخبر الطفلة الشقراء قصتها
مسكينة.. لم يكن هذا بحسبان

(ایک لشکر تو اس بھوک کا جس کے مقابلہ کی اب اس میں سکت نہیں کہ روٹی کا ٹکڑا دونوں بچے پہلے ہی کھا چکے ہیں۔ اور دوسرا لشکر سربیا والوں کا جو سرکشی میں اس لیے آپے سے باہر ہیں کہ ہم بیت المقدس اور گولان کی حرم سراؤں پر خاموش رہ گئے ہیں۔ میں اس سنہرے بالوں والی بچی کو سارا واقعہ بتا نہ دوں؟! بیچاری...!! یہ سب اس کے خواب وخیال میں بھی نہ آیا ہوگا۔)

الم ناک واقعہ کو بنیاد بنا کر اپنے جذبات کی ترجمانی کرنے کے بعد نظم کے آخری بند میں شاعر پیام عمل پر نظم کو ختم کرتا ہے۔

تداركت طفلتي مادار في خلدي
فارسلت دمعة من جوف بركان

وقبلت ساقها المبتور وابتهلت
إلى الاله بتسبيح وقرآن

وحملتني إلى قومي رسالتها
أخفتم الموت ام من سطوسجاني؟

إذن فلاتبخلوا يا قومنا فغداً
سيطلب الناس منكم سعر أكفاني

(بچی نے میرے ذہن میں آنے والے خیال کا اندازہ کرلیا/ اور آتش فشاں کی گہرائیوں سے ایک قطرہ اشک ڈھلکایا/ اپنی کٹی ہوئی ٹانگ کو بوسہ دیا اور تسبیح وقران کا واسطہ دے کر خدا سے گڑگڑائی۔/ اور قوم کے لیے مجھے اپنا یہ پیغام دیا کہ کیا تم موت سے ڈر گئے یا میرے قید کرنے والے کی گرفت سے؟!/ اگر نہیں تو اے قوم تم بخل نہ کرو کہ کل لوگ تم سے میرے کفن کی قیمت کا مطالبہ کریں گے!!)

نظم 'صور و تعلیق' (۲۳) سے پہلے ایک کوسوی بچے کی تصویر دی گئی ہے جس کے نیچے لکھا ہے: "رأيت صورة صبي حزين مشرد من كوسوفا أمام خيمة للاجئين نام كل من فيها لكنه لم ينم. إن هذا الصغير يريد أن يقول شيئا يظهر في ملامحه المعبرة... قرأت أفكاره وحاولت أن أكشف مافي ضميره البرئ فكانت هذه الأبيات" (کوسوا کے ایک بے گھر غمگین بچہ کی تصویر میں نے دیکھی جو پناہ گزینوں کے ایک کیمپ کے سامنے بیٹھا تھا، سب سو چکے تھے لیکن اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ یہ ننھا بچہ کچھ کہنا چاہتا تھا جو اس کے خدوخال سے عیاں ہے۔ میں نے اس کے خیالات کا مطالعہ کر کے اس کے معصوم دل کی بات دریافت کرنے کی کوشش کی تو ذیل کے اشعار وجود میں آئے):

الليل نام ولم أنم	صدري يمزّقه الألمْ
عفت الشهيَّ من الطعام	حتى الدفاتر والقلمْ
أين الطريق إلى الجبالْ	فالعِزَّ في تلك القممْ
حيث الشباب تسابقوا	للموت في ظِلِّ العَلَمْ
شعبي يهيم مشردا	وجراحه لم تلتئمْ

قتلوا أبی قتلوا أخی — لـكـنـنـی لـم أنتـقـمْ
أنـا لا أريـد خيـامكم — حتـى و لابيتـى إنهـدمْ
أنـا لأاسيـغ طـعـامـكـم — سـم يـخـالـطـه دسـمْ
سـأعيـش فی كهف هناك — مـع الـرجـال ذوی ا لهممْ
خـرجوا لساحات الجهادْ — والـلـه يـنـصـر من عَـزَم
عشق الـمـدافـع لـلفتى — وهـديـرهـا أحلـى نغمْ
مهـمـا تسلح خـصـمـنـا — بـالـقـاذفـات والـحـمـمْ
فـالـنـصـر حتـمـا قـادمٌ — والـصـرب سـوف تـنـهـزمْ

(رات میٹھی نیند سوگئی مگر مجھے نیند نہیں آئی،/ میرے سینے کو کرب والم تار تار کررہا ہے،/ میں نے مزیدار کھانے ترک کردیئے اور کاپیاں اور پین بھی،/ مجھے بتاؤ کہ پہاڑوں کو جانے والا راستہ کدھر ہے؟ /کہ عزت پہاڑ کی ان ہی چوٹیوں میں چھپی ہے!/ جہاں جیالے پرچم کے سائے تلے موت کا جام پینے کے لیے ایک دوسرے آگے بڑھنے کی کوشش کررہے ہیں/ میری قوم بے گھر ہوکر بھٹک رہی ہے اور اس کا زخم اب تک رس رہا ہے۔/ ان لوگوں نے میرے ابا کو بھی قتل کردیا اور میرے بھائی کو بھی لیکن میں نے اب تک انتقام نہیں لیا۔/ مجھے نہیں چاہئیں تمہارے یہ کیمپ، نہ مجھے اپنا منہدم گھر ہی مطلوب ہے۔/ مجھ سے نہیں کھایا جاتا تمہارا یہ کھانا، یہ زہر میں بجھا ہوا تر نوالہ ہے/ میں وہاں پہاڑ کے اس غار میں جاکر رہوں گا جہاں ہمت والے مرد ہیں۔/ جو جہاد کے میدانوں کے لیے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اور اللہ بھی عزم وہمت والوں ہی کی مدد کرتا ہے۔/ ایک بہادر جوان کے لیے توپوں کا عشق اور ان کی گڑگڑاہٹ ہی سب سے سریلا اور دلآویز نغمہ ہے۔ دشمن لاکھ آہن وآتش سے لیس ہوجائے لیکن فتح ضرور آکر رہے گی اور سربیا والے شکست خوردہ ہوکر رہیں گے۔)

'صرخة كوسوفا'، صرخة كوسوفا من يسمعها، أُمدد يدا، دمعة حيرى فی عين خجلى، عبرة ... على أطلال كوسوفا' سب کلاسیکل اسٹائل

میں اسی کوسووا فائیل کی رزمیہ انداز کی نظمیں ہیں جن کے مضامین بہت کچھ یکساں ہیں لیکن ندرت، اصالت اور تاثیر میں سب ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔

مثال کے طور پر صرخة کوسوفا، من یسمعها (۲۴) کے پہلے بند میں کوسوا یوں مدد کے لیے پکار رہا ہے:

أدركـونـي ـ يا إخوتي ـ أدركوني
وإلــى واحة الأمــان خُـذونـي
أدركـونــي فـلا أرى غيـر ليل
مُـدلهِـمٍّ أنـاخ فـوق جـفـونـي
لـغة الشجـب ليـس تجدى فهلاّ
رُفـعـت راية الـجهـاد الـمتيـن ؟!

(ارے بھائیو! بچالو مجھ کو آ کر بچالو اور مجھے ساحل سلامتی پر لے چلو۔ آ کر مجھے بچاؤ کہ مجھے سوائے اس گھٹا ٹوپ تاریک شب کے کچھ بجھائی نہیں دے رہا ہے جس نے میرے پپوٹوں پر گھٹنے جما دیئے ہیں۔ یہ غل غپاڑے کی زبان بولنے سے کوئی کام نہیں بن رہا، تو جہادِ عظیم کا علم کیوں نہ بلند کیا جائے ؟!)

نظم کے آخری شعر میں کوسوا خبردار کرتے ہوئے کہتا ہے:

أدركـونـي مـازال نبـضـي ولكن
إن تـأخّـرتـم فلـن تـدركـونـي

(آ کر مجھے بچالو کہ اب تک نبض چل رہی ہے اور میں زندہ ہوں اگر تم نے تاخیر کر دی تو پھر تم مجھے نہ پا سکو گے۔)

"عبرة... على أطلال كوسوفا" (۲۵) جیسا کہ نظم کے عنوان (کوسوا کے ٹیلوں پر ایک آنسو) سے ظاہر ہے، اس مصیبت زدہ مسلم ملک کی دردبھری اپیل ہے، چند شعر اس نظم کے اس طرح ہیں:

بنـي ديـنـي: أغيثونـا سـراعـا
فـكـوسـوفـا تـردد: وابلائـي
بنـي ديـنـي: إلـى مـن تتركونـا؟!
فـقـد ذقـنـا مـرارات الشقـاء

نـفـر عن الرصاص رصاص غدر
إلـى الـموت الـمخبأفي الخلاء
إلـى حيث الـجليـد... بلا طعـام
ولا مـأوى وستـرٌ أوغـطـاء

أغيثـونـا بـمـا تهدي إلينـا
ضـمـائـركم .. بثوب أوكساء
فـإن لم تستطيعوا فـأرحمونـا
ومُـدّونـا بـأصـنـاف الـدواء

وإن لـم ... فـالـدعـاء سبيل نصر
حـذاري أن تـضـنـوا بـالـدعـاء
قـضـاء الـلـه مـآسـاتـي ولكن
دعـاؤكـم يـعـد مـن الـقـضـاء

(اے میرے دینی بھائیو! دوڑ کر ہماری مدد کو آؤ کہ کوسوا پکار کر بار بار کہہ رہا ہے: ''ہائے میری بپتا!! / دینی بھائیو! آخر تم ہم کو کس کے رحم وکرم پر چھوڑ رہے ہو، ہم بدنصیبی کی تلخیاں چکھ رہے ہیں / غداری کی گولیوں سے ہم بھاگتے ہیں لیکن بھاگ کر، صحراء میں چھپی ہوئی موت کے علاوہ جائیں کہاں؟! / صحراء جہاں برف ہی برف ہے۔ کھانے کا پتہ نہیں، نہ کسی ٹھکانے کا، نہ سر پر کسی پردے اور سائے کا!! / تمہارے ضمیر جو بھی ہم پر صدقہ کریں اس سے تم ہماری امداد کرو، کسی لباس یا کپڑے سے!! / اگر ایسا نہ کرسکو تو ہم پر ترس کھاؤ اور کچھ مختلف قسم کی دواؤں ہی سے ہماری مدد کردو۔

اور اگر یہ بھی نہیں ...تو دعا جو فتح کا راستہ ہے اور دیکھنا دعا میں بخل نہ کرنا۔/ یہ المیہ میری تقدیر ہے لیکن تمہاری دعا بھی تو تقدیر ہی میں سے مانی جائے گی۔)

'صرخة کوسوفا' (۲۶) اور 'دمعة حیری فی عین خجلی' (۲۷) کی رواں بحر اور سلاست، ان نظموں کے رزمیہ انداز کے خاص مناسب ہے 'دمعه حیری' کا پہلا بند تمہیدی ہے:

لکوسوفا تعازینا   ودمع فی مآقینا
وآلامٌ تمزقنا   تصبّحنا تمسّینا
تؤرّقنا وترهقنا   وتلفحنا وتکوینا
وتکشف زیف عملتنا   وتُبطل من دعاوینا
وتشهد أن واقعنا   سراب لیس یروینا
وأن ضیاعنا بحر   شواطئه بلا مینا

(کوسوا کے لیے ہماری تعزیتیں ہیں اور ہماری آنکھوں میں آنسو اور ایسے دکھ جو ہم کو ٹکڑے ٹکڑے کیے دیتے ہیں، جو صبح میں بھی ہمارے ساتھ رہتے ہیں اور شام کے وقت بھی، جنھوں نے ہماری نیند اڑا رکھی ہے جنھوں نے ہم کو ہرا رکھا ہے اور جو ہم کو جھلساتے اور داغتے رہتے ہیں۔ وہ دکھ جو کھول کر بتا رہے ہیں کہ ہماری کرنسی کھوٹی ہے، جو ہمارے سارے دعوؤں کی قلعی کھول رہے ہیں، جو اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ ہماری اصل حقیقت ایک ایسا سراب ہے جو ہم کو سیراب کرنے والا نہیں ہے اور ہماری بربادی ایک ایسے سمندر کی طرح ہے کہ جس کے ساحلوں پر دور دور تک کوئی بندر گاہ نہیں ہے)

اگلے بند میں کوسوا سے ایک دوشیزہ کی پکار نقل کی ہے جو مدد کے لیے اہلِ اسلام کی غیرت کو للکار رہی ہے!

نداء فی حنایانا   من البلقان یأتینا
لأخت الدین صارخة   تؤمل نخوةً فینا

تسائل عن مروئتنا　　وتستجدی الملایینا

(بلقان سے آنے والی ایک پکار جو ہمارے سینوں میں گونج رہی ہے۔ ایک دینی بہن کی پکار جو اس امید پر چیخ رہی ہے کہ ہم میں کچھ نخوت وغیرت بیدار ہوگی۔ جو ہماری جوانمردی ومروت کے بارے میں حیرت سے سوال کر رہی ہے اور ان کروڑوں (مسلمانوں) سے مدد مانگ رہی ہے)

اس کے بعد اس لڑکی کی نداء ان الفاظ میں نقل کی گئی:

أجيرونا على عجل　　فنار الصرب تكوينا
ولست أريدها خطبا　　ولا شعرا يؤاسينا
ولا شجبا بمؤتمر　　عقيم ليس يغنينا
ولا الصلبان تلقفنی　　ولا الناتو ليحمينا
أريد "أبا سليمان"　　فليس سواه يرضينا
وخيل العز صاهلة　　وفرسانا ميامينا
يجئ وخلفه خبز　　ليطعمه المساكينا
يقاسمنا فجائعنا　　وفی البلوی يؤاسينا
ويمسح دمع أرملة　　وشيخ جاز تسعينا
حسام العز فی يده　　يبيد به الشياطينا
يلقنهم بمقدرة　　دروس الأمس تلقينا
ويقرأ سيفه الأنفال　　يجتث المضلينا
ويسفع كل ناصية　　تمطت فوق وادينا
يرمم ساح مسجدنا　　يؤم به المصلينا
فان يك خالد فيكم　　فيا أحلی أمانينا
وإن يك عَزَّ مطلبه　　فرب العرش يحمينا

(جلدی آکر ہم کو بچاؤ کہ سربیا والوں کی آگ ہم کو داغ رہی ہے۔ اور سنو

میں مدد میں تقریریں نہیں چاہتی نہ غم خواری میں کچھ شعر، نہ کسی بے فیض کانفرنس کی ایسی مذمت جو ہمارے کچھ کام نہ آئے گی۔ نہ مجھے اس کی خواہش ہے کہ ریڈ کراس آکر مجھے گود لے، نہ یہ کہ ناٹو آکر ہماری حفاظت کرے۔ میری مراد تو ابو سلیمان ''خالد بن ولید'' ہیں ان سے کم پر ہم کسی سے راضی نہیں ہو سکتے۔ اور عزت و سربلندی کے ہنہناتے ہوئے گھوڑے اور مبارک شہ سوار کہ وہ آئیں اور ان کے پیچھے روٹی ہو جسے وہ مساکین کو کھلائیں۔ وہ آکر ہمارے دکھ ہمارے ساتھ بانٹ لیں اور اس آزمائش کی گھڑی میں ہماری دل آسائی فرمائیں۔ وہ کسی بیوہ اور اس معمر شخص کے آنسو پونچھیں جو نوے سے بھی متجاوز ہو چکا ہے۔ عزت و شوکت کی تلوار ان کے ہاتھ میں ہو جس سے وہ شیطانوں کو غارت کر دیں۔ اپنی طاقت و قوت سے وہ ماضی کے سبق ان کو اچھی طرح یاد دلائیں۔ ان کی تلوار سورہ انفال کی تلاوت کرتے ہوئے ہوئے گمراہوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے اور ہر اس کھوپڑی کو توڑ ڈالے تو ہماری وادی پر مسلط ہو رہی ہے۔ وہ آکر ہماری مسجد کے آنگن کی مرمت فرمائیں اور نمازیوں کی امامت کریں۔ تو لوگوں! اگر تمہارے درمیان کوئی خالد ہے تو ہماری یہ تمنائیں کیا ہی خوش آئند ہیں اور اگر اس کا حاصل ہونا دشوار ہو گیا ہے تو پھر عرش بریں کا مالک ہی ہماری حفاظت کرے گا۔)

نظم کے آخری بند میں شاعر براہِ راست قوم کو یوں جوش دلاتا ہے:

فیا للعار یا قومی — إذا غُلت أیادینا
وأدمنّا تخاذلنا — ولم نغضب لبارینا
وخلینا سبایانا — وقد طابت لیالینا
وخنا الیوم کوسوفا — کما خنا فلسطینا
ستسحقنا جحافلهم — کما سحقت 'برشتینا'
فهبوا من مراقدکم — سراعاً وانصروا الدینا
أعیدوها لنا بدراً — ویرموکا وحطینا
فنصر الله موعدنا — وجنته تنادینا

وإن نصدق مع المولى ننل عزا وتمكينا

(اے میری قوم! کیسے عار کی بات ہوگی اگر ہمارے ہاتھ یوں ہی بندھے رہ گئے، اگر ہم اسی بے سہارگی کے عادی بن گئے اور اپنے خالق کی نسبت پر ہمارا غصہ نہ بھڑکا۔ اور اگر ہم نے اپنی رنگین راتوں میں ڈوب کر اپنے قیدیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور اگر آج ہم نے کوسوا کے ساتھ بھی ویسے ہی خیانت کی جیسے فلسطین کے ساتھ کر چکے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو عنقریب ان لوگوں کے لشکر ہائے جرار ہم کو سرمہ بناڈالیں گے جیسا وہ 'برشتینا' کو پیس چکے ہیں۔ سو اب تم اپنی خوابگاہوں سے جلدی جلدی اٹھ کر دین کی نصرت کے لیے کھڑے ہوجاؤ۔ اور ان معرکوں میں ہمارے سامنے تم ایک بار پھر بدر، یرموک اور حطین کو دوہرادو۔ اللہ کی مدد کا ہم سے وعدہ ہے اور خد کی جنت ہم کو آواز دے رہی ہے۔ اگر ہم نے مولی کے ساتھ سچائی کا معاملہ کیا تو عزت وتمکین ضرور حاصل ہوگی۔)

'صرخة كوسوفا' بھی اپنے مضمون کے اعتبار سے اسی سے ملتی جلتی ایک نظم ہے۔ چند اشعار ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔ جن میں کوسوا پر ٹوٹنے والی مصیبت وبے چارگی کا بیان بہت موثر پیرایہ میں ہے:

"كسوفا" ألا أيها المسلمون
تنادی تنادی فأين النصير؟

وها نحن عين تری أويد
رهينة عجز.. وقيد عسير

وأحشاؤنا تتنزی أسی
ويصعد كالنار منا الزفير

نقلب فی الكون أبصارنا
ونجتر فی الليل صمت القبور

ونرقص فوق شفا النائبات
ونمضي.. ونجهل أين المسير..

(او مسلمانو! کوسوا آوازوں پر آوازیں دے کر پکار رہا ہے، کہاں ہے اس کا مددگار؟ ہم اس حال میں ہیں کہ ٹک ٹک دیکھتی ہوئی کوئی آنکھ ہے یا لاچار سا یا ہتھکڑی میں جکڑا ہوا کوئی ہاتھ اور ہماری انتڑیاں غم سے باہر آیا چاہتی ہیں، اور سینوں سے آگ کی طرح گرم گرم آہیں نکل رہی ہیں، ساری کائنات میں ہم نگاہیں ادھر سے ادھر دوڑا رہے ہیں اور شب تاریک میں قبروں کے سناٹے کی جگالی کر رہے ہیں۔ مصائب کے کناروں پر کھڑے ہوکر ہم رقص کر رہے ہیں اور ہم چلے جا رہے ہیں لیکن ہمیں کچھ پتا نہیں کہ کہاں جا رہے ہیں)

آخر چند اشعار میں دشمنوں کے تئیں اظہار نفرت کے ساتھ مسئلہ کا حل پیش کیا ہے:

يد الصرب مغموسة بالدماء
وكم دنسوا من عفاف الزهور
ولو سمعوا صيحة للجهاد
لأوشك عقل وقلب يطير
وتكبيرة من لهاة الفداء
تزلزل ركن الخنا والفجور
وتكشف بالحق زيف الخداع
وتخلع عنهم ثياب الفجور
هو الحق مهما طغى باطل
له النصر يوم النزال الأخير
ولله سهم سيمضي غداً
ولو كره المستبد الكفور

(سربیا والوں کے ہاتھ خون میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ کتنی ہی معصوم اور پاکدامن کلیوں کو انھوں نے داغدار کردیا ہے۔ اگر یہ جہاد کا صرف ایک نعرہ سن لیتے تو ان کے اوسان خطا ہوجاتے۔ اور فداکار کے منھ سے ایک ''اللہ اکبر'' جو بے حیائی اور فجور کے مرکز میں زلزلہ ڈال دیتی اور حق کی بنیاد پر فریب کی قلعی کھول کر رکھ دیتی اور فسق وفجور کو برہنہ ہی تو کردیتی، حق تو یہی ہے باطل خواہ کتنی بھی سرکشی کرے، آخری مقابلہ میں فتح حق ہی کی ہوگی۔ اللہ کا ایک تیر ہے جو کل کو چل کر رہے گا، ظالم کافر خواہ کتنا ہی ناپسند کرے۔)

"حوار فی خضم المأساة" (۲۸) کوسوا اور مسلمانوں کے درمیان جواب اور جوابِ شکوہ کے انداز پر ایک خوبصورت مکالماتی نظم ہے مثلاً کوسوا شکایت کرتا ہے کہ:

کوسوفا: لقد نادیت واستصرخت لکن
کأنی صارخ فی بطن وادی
فأین المسلمون؟ أهم نیام؟
أم الآذان ملأی بالرماد؟

(کوسوا: میں چیخ چیخ کر پکارتا رہا لیکن میری چیخیں یوں ضائع گئیں جیسے کوئی چیخنے والا کسی وادی کی گہرائی میں چیخ رہا ہو)

مسلمان اس کے جواب میں کہتے ہیں:

المسلمون: سمعنا صوت صارخكم ینادی
فقمنا وأستجبنا للمنادی
شجبنا القتل والتشرید شجبا
ونددنا بمسلك كل عاد

(ہم نے تمہارے پکارنے والے کی چیخ سنی تھی اور کھڑے ہوکر اس کا جواب بھی دیا تھا اور قتل وغارت کی اور ظلم وزیادتی کی خوب مذمتیں کی تھیں۔)

تاہم مصائب کی آگ میں جھلستے ہوئے کوسوا کی اس جواب سے تشفی نہیں

ہوتی:

کوسوفا: وهل إنكاركم يجدى فتيلا
عن القتلى الألى تحت الرماد؟
وهل تغنى عن إمراة أهينت
قصائد جلجلت فى كل نادى؟
وأنى أرتضى منكم بشجب
وأنتم إخوتى فى الاعتقاد؟
وأين الشجب إن كان الأعادى
لهم سفراء فى كل البلاد؟
وأين الشجب والصفقات تترى
مع الصرب الألى هدموا عمادى؟
أحالوا منزلى ناراً وأمست
مساجدنا هضابا من رماد
طُردنا من منازلنا جهاراً
لنُطرح فى العراء بغير زاد
ويغتصب النساءَ جنود بغى
كأنهم الضوارى فى البوادى
لقد أوذيت إيذاء شديداً
ولان لمحنتى صلد الجماد
وأنت أخا العقيدة فى سبات
سباك ثرى الحِمى وهوى سُعاد

(کوسوا: تمہاری نری مذمت بھلا ان مردوں کے کچھ کام آئے گی جو خاک تلے پہنچ گئے اور محفلوں میں سنائے جانے والے یہ لچھے دار قصائد و نظمیں اس عورت کے

کس کام کی جسے بے آبرو کر دیا گیا۔ تم تو میرے ایمانی بھائی ہو میں تم سے، محض اس مذمت پر کیسے راضی ہو جاؤں؟! اور یہ مذمت کام بھی کیا آئے گی جب کہ دشمنوں کے نمائندہ ہر ہر ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور یہ مذمت کیا کرے گی جب کہ سربیا والے ان دشمنوں پر جنھوں نے میری بنیاد تک ڈھادی ہے، مسلسل شاباشی کی تالیاں پٹ رہی ہیں۔ انھوں نے میرے گھر کو آگ میں تبدیل کر دیا اور ہماری مسجدیں مٹی کے تودے بن گئیں۔ ہمیں علی الاعلان ہمارے گھروں سے نکال کر بے سہارا بنا کر کھلے آسمان کے نیچے ڈال دیا گیا۔ ظالم فوج کے سپاہی عورتوں کو ایسے کھسوٹ رہے ہیں جیسے جنگلی درندے ہوں۔ مجھے ایسی سخت اذیت پہنچائی گئی ہے کہ میری مصیبت کو دیکھ کر پتھر کی چٹانیں تک پسیج گئی ہیں مگر اے ایمانی بھائی! تو نیند میں غافل پڑا ہے، تجھے مرغزار اور سعاد نام کی محبوبہ نے اسیر بنا رکھا ہے۔)

مسلمان ان الفاظ میں پھر اپنا عذر پیش کرتے ہیں:

المسلمون: أخی قد حالت العقبات بینی
وبینک، والدُنا فی کف عاد

(میرے بھائی! میرے اور تمہارے درمیان کتنی ہی گھاٹیاں حائل ہیں اور اسباب دنیا بھی دشمنوں کے ہاتھ میں ہیں)

کوسوا اس مایوس کن موقف پر مندرجہ ذیل جواب دیتا ہے اور نظم اختتام کو پہنچتی ہے:

کوسوفا: إذا ما أخوتی عنی تخلوا
وعشت رهین ضیم واضطهاد
فإنی مسلم لله أمری
وهل إلا علی الله اعتمادی؟

(کوسوا: اگر میرے بھائیوں ہی نے ظلم وستم کے حوالے کر کے مجھے چھوڑ دیا ہے، تو اب میں اپنا معاملہ اللہ ہی کے سپرد کرتا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں)

'لوحة عار!' (۲۹) ایک آزاد نظم ہے جس میں کوسوا کے سیاق میں بے حسی اور بے کسی کی موجودہ صورت حال کو بہت زہر میں بجھے ہوئے طنزیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے:

یا أهل البلقان
فی إقلیم کوسوفا!
نسمع عنکم أخباراً لکن ننسی!
والنسیان دواء!!
عذراً! فالوقت لدینا لایکفی
لاسترجاع الأنباء!!
هذی صور عبر الأقمار الفلکیة!
کم هی 'رائعة' تلك الصور الفلکیة!!
فالعلم تقدم!
أقصد کم هی مخزیة، تصف العار
لقومی!
لوکنتم من أهل الحاخام
یاأتباع محمد!
لأتاکم مدد العالم یعدو، رهن
إشارتکم!!!

(اے کوسوا کے بلقانیوں! خبریں تو ہم تمہارے بارے میں سنتے رہتے ہیں لیکن بھول جاتے ہیں اور یہ بھول جانا بھی درد کی ایک دوا ہے! معاف کرنا! خبروں کا پلے بیک (Playback) سننے کا وقت ہمارے پاس نہیں ہے۔ سیٹلائیٹ کے ذریعہ آنے والی یہ تصویریں! کتنی دلکش ہیں یہ سیٹلائیٹ تصویریں! سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے نا! یعنی میرا مطلب ہے کہ کتنی رسوا کن ہیں یہ تصویریں جو قوم کے کلنگ کی وصف نگاری کر رہی ہیں۔ اے غلامانِ محمد! اگر تم بھی یہودی حاخام کے پیرو ہوتے تو تمہارے ایک

اشارے پر عالم کی مددیں دوڑی ہی تو چلی آتیں۔)

اگلے بند میں ان ننگِ قوم تصویروں کے کچھ مناظر پیش کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

تلك الصور الفلكية
ترسم مأساة القرن العشرين!!
لوحة عار!
واللوحة يرسمها فنان!
كم هى 'رائعة' تلك اللوحة!!
تنطق مأساة، بالألوان!
فيها الحركة!
فيها الدهشة!!
فيها شيخ يجمع أشلاء الأحفاد!
فيها طفل فى يده كسرة خبز
ينوى أن يأكلها قبل الموت!!!

(یہ سیٹلائیٹ تصویریں، بیسوی صدی کے 'المیہ' کی تصویر کشی کرتی ہیں!! باعثِ عار تصویر۔ تصویر جسے کوئی آرٹسٹ بناتا ہے۔ کتنی دل کش ہے یہ فریم تصویر! ایک ٹریجڈی جو اپنی رنگا رنگی سے گویا بول رہی ہے۔ اس میں نقل و حرکت ہے، اس میں حیرت در حیرت ہے، اس میں ایک بوڑھا ہے جو اپنے پوتوں کی لاشوں کے ٹکڑے اکٹھا کر رہا ہے، اس تصویر میں ایک بچہ ہے جو اپنے ہاتھ میں ایک روٹی کا ٹکڑا لیے ہوئے ہے جسے وہ موت سے پہلے پہلے کھالینا چاہتا ہے۔)

آگے کچھ اور ایسے ہی مناظر ہیں:

فيها الأم تهرول
تحمل طفليها، تجرى

هرباً من وحش كاسر
فى فمه الموت!!
فيها عجوز تبكى!
لم يسألها أحد "ماذا يبكيك؟!"
فيها العفة... يا للعفة!! فيها العار!!
لوحة عارٌ!
كم "يسعدنا" أن نحفظ لوحة عار!
وعلى الحائط!
نضع اللوحة فى صدر البيت!!
ياللعار! يا للعار! يا للعار!

(اس تصویر میں ایک ماں کو دکھایا گیا ہے جو (اپنے دو بچوں کو اپنی گود میں لیے ہوئے) ایک ایسے ''وحشی درندے'' سے بچ کر بھاگ جا رہی ہے جس کے منہ میں موت ہے!! اس میں ایک بڑھیا ہے جو بیٹھی رو رہی ہے اور کوئی اس سے پوچھنے والا بھی نہیں کہ تم کیوں رو رہی ہو؟ اس تصویر میں 'آبرو' ہے!!... ہائے رے آبرو...!! ہائے یہ کلنگ کا ٹیکا!! باعثِ ننگ و عار فریم تصویر!! ہم اس شرمناک تصویر کو محفوظ رکھ کر کتنا 'خوش' ہوتے ہیں۔ دیوار پر اسے ٹانگ کر۔ یا ڈرائنگ روم میں اسے سجاتے ہیں!! کتنے شرم کی بات ہے کتنے شرم کی بات ہے! کتنے شرم کی بات!)

"علی رسلکم صحبی" (۳۰) کا رنگ ذرا مختلف ہے۔ قدیم کلاسیکل اسلوب اور قدیم مشکل اور پُر شکوہ الفاظ والی اس نظم میں کوسوا کے ایک مصیبت زدہ مہاجر کی اپنے مادرِ وطن کو الوداع کہتے وقت کے جذبات کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قصیدہ سے پہلے چند سطروں میں شاعر نے نظم کے پسِ منظر کو خود ہی ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"هاهى جموع المهاجرين من أرض كوسوفا الحبيبة تتتابع فى

الـخـروج مـن مـسـاقـط رأسـهـا ومرابع اطبابها وأهليها بعد قهر المعتدين. وكـان مـنـهـم هـذا الـذى انشـد هذه القصيدة، يعزى بها نفسه و يسلى به اصـحـابـه وكـانـوا حيـنـذاك عـلـى أكمة تطل على البلاد فقال و الدموع تخضب لحييه"

(ظالموں کے ڈھائے گئے قہر کے بعد دیکھو یہ مہاجروں کے گروہ ہیں جو جوق در جوق ایک دوسرے کے پیچھے کوسوا کی محبوب سرزمین، اپنی مادرِ وطن اور اپنے احباب ورشتہ داروں کے مقاماتِ کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ رہے ہیں۔ ان ہی میں یہ شخص بھی تھا جس نے اپنی اور اپنے ہمراہیوں کی تسکین کے واسطے یہ قصیدہ کہا تھا۔ اس وقت وہ لوگ ایک ٹیلے پر کھڑے تھے جہاں سے گاؤں نظر آرہا تھا۔ آنسو ڈھلک ڈھلک کر اس کی داڑھی کو تر کر رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا:)

عـلـى رِسْلِكُمْ صحبى... فقد أشفق القلبُ
وهـلـتْ دمـوع الـعـيـن واستـعـظم الـخـطبُ
قـفـوا سـاعـة نـزجـى من الأمـس غـابـراً
ونـحـكـى لـنـا ذكـرىٰ يـزركشهـا الـحـبُ

(ساتھیوں! ذرا ٹھہر جاؤ کہ دل دہلا جاتا ہے آنسو بہہ رہے ہیں اور بپتا بڑی سخت ہوگئی ہے۔ ایک گھڑی کو رک جاؤ کہ کل گزشتہ کو سامنے لے آئیں اور محبت کے نقش ونگار سے سجی ہوئی یاد کو تازہ کرلیں"۔)

قـفـوا سـاعـة قبـل الـرحيل لعلنـا
تـقـر لـنـا عين ويـصـطبر القلب

(کوچ سے قبل بس ایک گھڑی کو توقف کرلو کہ شاید آنکھوں کو چین مل جائے، شاید دل کو کچھ قرار حاصل ہوجائے۔)

وصلـوا بنا فى مسجد الحى ركعة
تكون لنا زاداً إذا استوحش الدرب

ومُرُّوا بنا حيناً على قبر والدي
ولاتجزعوا صحبي إذا طال بي القربُ

(محلّہ کی مسجد میں ہم کو دو رکعت نماز پڑھوا دو جو ایسے وقت میں ہمارے لیے زادِراہ بنے جب کہ راستہ وحشت ناک ہو جائے۔ ہمیں ابا جان کی قبر پر ہو لینے دو اور دوستو! اگر مجھے وہاں کچھ وقت لگ جائے تو ناراض نہ ہونے لگنا)

سلام على الأطهار من أهلي ملتي
سلام على أهل الجهاد الألى هبّوا

الا إنما الجنات والحور موعد
عقدناه يوم التف من حولنا الصربُ

عقدناه والهيجا تزلزل حولنا
وقهقهة البارود كالوبل لايخبوا

(میری ملت کے ان پاک نفوس پر سلام ہو، ان اہل جہاد پر سلام ہو جو اٹھ کھڑے ہوئے تھے، جنتوں اور حوروں سے ہم نے اسی دن وعدہ کرلیا تھا جس دن ہم سربیا والوں کے نرغہ میں آگئے تھے۔ ہم نے یہ وعدہ اس دن کیا تھا جب کہ خوفناک خونیں جنگ ہمارے چہار طرف زلزلے ڈال رہی تھی اور گولا بارود بادلوں کی طرح ایسے قہقہے مار رہا تھا کہ خاموش ہی ہونے پر نہیں آ رہا تھا۔)

قصیدہ کے آخری حصہ میں شاعر جہاد کی دعوت دیتے ہوئے ان اشعار پر اس کو ختم کرتا ہے:

سأرحل عنك اليوم لكن إلى غد
يزمجر في الأعداء فيصلنا العضبُ

هوان الفتى موت وان كان في الورى
يعد من الأحياء يا أيها الشعبُ

کأنی بهم قد یمّموا شطر دارنا

وحین یفی الجمعان تحتدم الحربُ

(''کوسوا! میں آج تجھ سے رخصت ہو رہا ہوں لیکن ایک ایسے کل کے وعدہ پر جس میں دھار دار فیصلہ کن تلوار دشمنوں پر بری طرح کڑ کے برسے گی۔ بہادر انسان کی ذلت اس کی موت کے مرادف ہے اگر چہ لوگوں میں وہ زندوں میں شمار کیا جاتا ہو۔ میں گویا ان لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ انھوں نے میرے وطن کے ایک حصہ کا رخ کر لیا ہے اور جنگ تو تب ہی بھڑکتی ہے جب فریقین برابر کے ہوں'')

اس مزاحمتی رجحان کی بین الاقوامی سطح پر کوریج کی ایک اور مثال ترکی کے مسلم رہنما الطیب اردوغان سے متعلق قصیدہ بعنوان "ذاهب لتأدية واجبی... حوار فی بیت الطیب اردوغان " (۳۱) ہے جو ان کی اس وقت گرفتاری پر کہا گیا تھا جب وہ اسلامی پارٹی کی رہنمائی کر رہے تھے اور اس وقت تک پاور میں نہیں آئے تھے۔ قصیدہ میں شاعر نے اس موقع پر اردوغان کی معصوم بچی اور اہلیہ کے نازک جذبات نظم کرنے کی کوشش کی ہے۔ انداز نہایت خوبصورت ہونے کے ساتھ تشجیعی اور ہمت افزا بھی ہے:

وتحارُ من وقع الحدثْ

فتثور فی رأس الصغیرة أسئلة

ما ما! أجیبی: أین بابا

(ننھی بچی اس واقعہ سے حیرت زدہ ہے اور اس کے ذہن میں بہت سے سوالات آرہے ہیں۔ ممی بتایئے نا پاپا کہاں گئے؟)

باباكِ سافر یا حبیبة أمها

غدا یعود مع الهدایا الفاخرة

(میری پیاری تیرے پاپا سفر پر گئے ہیں۔ کل وہ تیرے لیے بہت اچھے اچھے تحفے لے کر آئیں گے (ماں جواب دیتی ہے)

بچی اپنی تکلیف کا اظہار ان الفاظ میں کرتی ہے۔

لكنما الأطفال لايترددونْ!

يردّدون: أبوك يقبع فى السجونْ

ماما! وما معنى السجونْ؟

(لیکن بچے تو بے دھڑک بار بار مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ ’’تمہارے پاپا تو جیل میں پڑے ہیں‘‘۔ممی! جیل کس کو کہتے ہیں؟)

ماں اور بچی کے درمیان اس پوری تخیلاتی گفتگو کے نقل کرنے میں شاعر نے ایک جدید ٹیکنیک سے کام لیا ہے جس میں قائل کا ذکر کیے بغیر صرف مقولہ ذکر کیا ہے لیکن خود اس مقولہ میں ایسا واضح قرینہ موجود ہے جس سے بغیر کسی ابہام کے پتہ چل جاتا ہے کہ قائل کون ہے؟ چنانچہ آگے آنے والے اشعار میں خود مسلم ترکی رہنما اردوغان اپنی شریک حیات کو ہدایات دیتے نظر آتے ہیں:

فلتخبريها يا حبيبة ما السجون!

فلتخبريها ما القضية!

حتى يقال لها غدا نعم الصبية!

شبت على وهج القضية!

(جانِ تمنا! اس بچی کو بتا ہی نہ دیا جائے کہ جیل کس کو کہتے ہیں۔اس کو بتا دو کہ معاملہ کیا ہے؟ تا کہ کل کو اسے مسئلہ کی آنچ پر جوان ہونے والی بہترین دوشیزہ کہا جاسکے!)

یہاں پہنچ کر آزاد نظم کا اسلوب بدل جاتا ہے۔اور غالبًا ماں بیٹی کو سمجھانا شروع کرتی ہے!اور آگے کے رزمیہ انداز کے رواں بحر کے اشعار یوں ہیں:

قولي لهم: بابا الأبي ... مثل ابن يعقوب النبي

هو في السجون مكبل ... لكنه لم يذنب

قلب كبير عامر ... متلألئ كالكوكب

يهدي لأمته السنا ... مذ ظار لما يزغب

(تم ان بچوں کو بتادو کہ میرے خوددار پاپا، بنی یعقوب کے بیٹے یوسف علیہ السلام کی طرح جیل میں پابندِ سلاسل ہیں حالاں کہ ان کا کوئی جرم نہیں۔ ایک بہت بڑا سدابہار، اور ستارے کی طرح چمکتا ہوا دل جو اپنی قوم کو روشنی عطا کر رہا ہے اور جب سے طلوع ہوا ہے تو اب تک غروب نہیں ہوا)

أو تــذكـرون نشيـده　　يــوم الــوداع الهيّــب
أو تــذكـرون مـآقِـيَ　　التــوديع مثل الـصيب
"سيـروا الـواجبكم فهـا　　أنـا ذا أسيـر لواجبي"
بـابـاي صار أباً لصاحب　　كــل قــلــب أشهــب
كـل الـقلـوب سجينة　　مـع اردوغــان الـطيب
بــحــرابهـم بقبـابهـم　　بـحصـونهـم بـالموكـب
سجنـوا بسجن أبي ولم　　يــجسـن بـمفـرده أبي

(رخصت ہونے والے مہیب دن کا ان کا نعرہ تم کو یاد نہیں؟ اور بارش کی طرح برستے ہوئے آنسوؤں کی جھڑی، جب وہ کہہ رہے تھے: کہ "تم لوگ اپنے فرائض کو ادا کرو اور میں بھی اپنی ذمہ داری پوری کرنے جا رہا ہوں" میرے پاپا ہر روشن دل رکھنے والے کے بابا بن گئے ہیں۔ اور اردوغان الطیب کے ساتھ سارے ہی دل داخلِ زنداں ہو گئے ہیں۔ اپنے حربوں، اپنے گنبدوں اور قلعوں اور پورے جلوس کے ساتھ وہ سب بھی میرے والد کے ساتھ ساتھ گرفتار ہوئے ہیں میرے والد کوئی تنہا گرفتار نہیں ہوئے!!)

آئندہ اشعار میں بچی اپنی امیدوں کے سجے ہوئے گلدستہ کو یوں پیش کرتی ہے:

سيـعـود بـابـا يـا غـداً　　كـالعيد حلو الملعب
سيـعـود مثل الـصبح　　مثل الشمس بعد الغيهب
لَيَـوسّدَنّـي كَـفـه　　وأريـه كـل تـأدبي

لیحدثنی عن صحابته   الهُداة الأُ وب
عن غربة الإسلام عن   بشری محمدٍ النبی
عن أمهات المؤمنین   یفضن عذب المشرب
عن فاطمٍ الزهراء عن   عن أسماء نبع تعجبی
ویعید: إیه بنیّتی   أنا قادم من واجبی
أقراتِ آی العنکبوت   إذن فلا تستغربی
سأقص طول اللیل   طول اللیل حتی تتعبی
یارب عجل عود بابا   أردوغان الطیب
یارب عجل عودبابا   اردوغان الطیب

(کل کو میرے پاپا مزے مزے کے کھیلوں والے عید کے دن کی طرح لوٹ کر آئیں گے، وہ صبح روشن کی طرح اور شبِ تاریک کے بعد طلوع ہونے والے سورج کی طرح دوبارہ آئیں گے اور اپنا ہاتھ بوسہ کے لیے مجھے تھما دیں گے اور میں بصدِ ادب اس کو بوسہ دوں گی، وہ اپنے ہدایت یافتہ نیک دوستوں اور غریب الدیار دینِ اسلام، نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خبریوں، نہایت شیریں مذاق امہات المؤمنین اور میری پسندیدہ فاطمہ زہرا اور اسماء کے قصہ مجھے سنائیں گے اور پھر وہ دوبارہ مجھ سے کہیں گے کہ بٹیا میں اپنا کام پوار کر کے پھر واپس آؤں گا، تم نے تو سورہ عنکبوت پڑھ رکھی ہے سو تم (ان آزمائشوں پر) ذرا بھی تعجب نہ کرنا میں واپس آ کر پوری رات تم کو اتنی کہانیاں سناؤں گا کہ تم تھک جاؤ گی۔ میرے پیارے اللہ میاں! میرے پاپا اردوغان کو جلدی سے واپس لے آ۔ جلدی سے واپس لے آ...)

عالمِ عرب واسلام کے سلسلہ میں اہلِ مغرب کی پالیسیوں سے ان شعراء کو ماکرانہ تثلیثی تعصب کی بو آتی ہے۔ چنانچہ اب ان واقعات واقدامات نیز پالیسیوں کی تبریریا ان سے سمجھوتہ کرنے کے بجائے مختلف انداز میں ان شعراء نے ان پر خوب خوب تنقید کی ہے۔ کہیں صاف دوٹوک انداز ہے، کہیں استہزاء ہے، کہیں ڈھکی چھپی

تنقید ہے اور کہیں اس سلسلہ میں اپنی ہی قوم کے موقف پر چوٹ ہے۔

دہشت گردی کے نام پر ساری امت کے اوپر جس طرح حق وناحق کیچڑ اچھالا جارہا ہے، اس یکطرفہ پروپیگنڈہ کا جواب "ورسالة من يحيى عياش" (۳۲) نام کی نظم میں اس طرح دیا گیا ہے۔ یحیی عیاش ایک فلسطینی جانباز کا نام ہے:

حكموا علىّ بأنني أرهابى
قالوا بأنى قد فقدت صوابى
زعموا بأنى مسلم متطرف
والويل كل الويل للإرهاب
قد جيَّشوا إعلامهم ليبثها
فى أذن هذا العالم المرتاب
قالوا بأنى لاأجيد تحاوراً
غير السلاح بجيئتى وذهابى
فتضافرت كل الجهود وأصدروا
حكماً علىّ .. وحكمهم بغيابى
حكموا بقتلى.. حيث إنى مسلم
أبغى الكرامة.. أو يهال ترابى
إن كان رد القدس صار تطرفا
فأنا أبيح تطرفى لصحابى

(میرے بارے میں یہ فیصلہ سنایا گیا ہے کہ میں دہشت گرد ہوں، کہا جارہا ہے کہ میری عقل ماری گئی ہے! جھوٹا دعویٰ کیا جارہا ہے کہ میں ایک انتہا پسند مسلمان ہوں حالاں کہ میرا دہشت گردی سے کیا واسطہ؟! میں تو خود ہی اس پر ہزار لعنتیں بھیجتا ہوں۔ ان لوگوں نے اس شکی دنیا کے کانوں میں یہ بات پھونکنے کے لیے اپنے سارے میڈیا کو لگا دیا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ میں اپنے سفر حضر میں سوائے ہتھیار کی زبان

کے کوئی گفتگو نہیں سمجھتا۔ چنانچہ خوب کوششیں کر کے میرے خلاف یہ فیصلہ صادر کیا گیا ہے اور مزہ کی بات یہ ہے کہ یہ فیصلہ میری غیر موجودگی میں ہی سنادیا گیا۔ میرے قتل کا فیصلہ ہو گیا ہے، اس لیے کہ میں ایسا مسلمان ہوں کہ عزت کا طلب گار ہوں، ورنہ میری سرزمین کو ڈھیر کردیا جائے گا۔ اگر بیت المقدس کی بازیابی کا نام انتہا پسندی ہے تو میں اپنی انتہا پسندی کو اپنے دوستوں کے لیے بے شک جائز قرار دیتا ہوں)

آگے کے اشعار کے تیور دھمکی آمیز ہیں:

فالقدس سوف تعود رغم أنوفهم
هذي السيوف نسلها لرقاب

وليهدموا بيتي فإن ترابهٔ
سيكون للأنذال (قبر غراب)

إني لفرد من أسود محمد
والأسد تُخشي في نظام الغاب

يا من زرعتم رجسكم في أرضنا
سترون كيف يسومكم أحبابي

فهناك في أر ض المعاد أحبة
عشقوا الممات كعشقكم لسراب

يا أيها اللقطاء هذا مدفعي
لن يدخل الجبناء من أبوابي

قالوا بأن الغرب يكره سيرتي
ويري بأن الموت في جلبابي

فعذرته فلقد رآني مرة
أستبدل ألأكفان بالأثواب

يـا أيهـا لـلـقطـاء هـذا مـذهبي

أمشي بهـدي مـحـمـدي وكتــابي

سـأزيحكم من قـدسـنـا بعبوة

تـأتي علـي الجبـنـاء والأذنـاب

أمــا إذا مــامـت يـوم كـريهة

فـحـجـارة الأطفال بالأعــقـاب

(بیت المقدس کی بازیابی ان کے نہ چاہنے کے باوجود بھی ہو کر رہے گی اور ہم ان تلواروں کو گردنوں پر سونت دیں گے۔ اگر یہ میرے گھر کو ڈھانا چاہتے ہیں تو ڈھالیں مگر پھر اسی کی مٹی کم ظرفوں کے لیے ہابیل قابیل کے کوّے والی قبر بن جائے گی۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شیروں میں سے ایک ہوں اور جنگل راج میں لوگ شیروں ہی سے ڈرتے بھی ہیں۔ اے وہ لوگوں جنھوں نے اپنی گندگی اور ناپاکی کو ہماری سرزمین میں بویا ہے! تم دیکھ لوگے کہ میرے ساتھی تمہیں کیسا ذلیل کرتے ہیں۔ ارض معاد میں ایسے ساتھی ہیں جو موت کے ایسے ہی عاشق تھے جیسے کہ تم اس دھوکے کے گھر سے عشق کرتے ہو۔ ذلیلو! یہ دیکھو میری توپ میرے پاس ہے، بزدل ادھر اس دروازے سے ہمارے پاس ہرگز نہیں آسکتے۔ ان کا کہنا ہے کہ مغرب کو میرا کردار پسند نہیں ہے اور وہ میرے لباس میں موت کو ملبوس دیکھتا ہے۔ لیکن وہ بھی معذور ہے۔ کیوں کہ اس نے ایک بار مجھے کپڑے اتار کر کفن پہنتے دیکھ لیا تھا۔ ارے ذلیلوں! یہ ہی میرا راستہ ہے۔ میں اپنے پیارے نبی اور قرآن کے راستہ پر چلنے والا ہوں۔ اپنے بیت المقدس سے میں تم کو ایسے بم کے ذریعہ دفعان کردوں گا جو بزدلوں اور ان کے پٹھوؤں پر آکر پھٹے گا۔ اور دیکھو اگر میں معرکہ کے دن کام آگیا تو میرے بعد ان بچوں کے پتھر تم پر برستے رہیں گے)

ان حالات میں عربوں کا جو طبقہ اب بھی لہوولعب کی راہ اپنائے ہوئے فریب خوردگی، خود فراموشی، جہالت، بے حسی اور دولت کے نشہ میں بدمست چلا جاتا

ہے۔ 'نشرۃ الأخبار' (۳۳) نام کی آزاد نظم میں ان کی اور ان ممالک کے وسائل ابلاغ کی قلعی کھولی گئی ہے۔

نشرة الأخبار قالت:
نحن فى أعلي الهرمْ
من رياضات تعالت باعتبار
لاتساوي همة فيمن زعمْ
كاذب من قال عن بخل كرمْ
إنها .. إن قلت حقا
لم تكن إلا شهيقا أو زفيراً
بعدها يأتي صفير
من جماهير أراها قد تحاكي
لورفعنا شأنها سوق الغنم والأغاني

(خبروں کی بلیٹن نے بتایا ہے کہ ہم سب سے اونچی چوٹی پر ہیں ان کھیلوں میں جو ایسی بلندی پر پہنچ گئے ہیں کہ دعویٰ کے مطابق کوئی ان تک پہنچنے کی ہمت بھی نہیں کرسکتا۔ جھوٹا ہے جو بخل کو فیاضی کہے! سچ پوچھو تو یہ بحر عدم میں گم ہوجانے والے غل غپاڑے کے علاوہ کچھ نہیں تھا، جس کے بعد ایسے تماش بینوں کی سیٹیاں تھیں جن کے بارے میں بڑھا چڑھا کر بھی کہا جائے تو اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ لگتا ہے کہ ڈھور ڈنگروں کی پینٹھ یا گیتوں کی نقل اتار رہے تھے۔)

ويح نفسى .. كم نعاني ؟!
إنها فيض السقمْ
كم دهتنا؟!
هذه الآهات في جوف الظُلمْ
أين أصحاب القيم ؟!

صار من لا يستحي مما نعاني
قمة بين القممْ
ليتها كانت بعلمْ
فيه تخفيف الألمْ
ليتها كانت بسبق
في مسارات الأممْ
خاملات يا رغاباً
أورثت فينا النَّدَمْ

(ہائے رے ہم کتنا جھیل رہے ہیں۔ ایک سیلاب بلا جس نے ہم پر کتنی مصیبت توڑی ہے! تاریکیوں کی گہرائی میں یہ آہیں! کہاں ہیں اخلاقی ضوابط کے ٹھیکیدار؟! ہماری مصیبتوں سے نہ شرمانے والا شخص ہی سربراہِ اعلیٰ ہوگیا ہے۔ کاش ان سربراہوں ہی کو معلوم ہو جاتا تب بھی تکلیف کچھ کم ہو جاتی۔ اقوامِ عالم کی صفوف ہی میں کاش یہ آگے بڑھنے والے ہوتے! لیکن یہ تو ایسے بدنام گمنام ہیں کہ ان کی وجہ سے ندامت وشرمندگی کے علاوہ ہمارے دامن میں کچھ بھی نہیں آیا۔

صوَّرتنا للأعادي
في الملاهي أو كُرات للقدمْ
صورتنا دون فهمْ
ماعر فنا راسيات من حِكَمْ

(اس خبرنامہ نے دشمنوں کے سامنے اپنی تصویر کشی میں ہم کو مے خانوں یا فٹ بال میں مشغول دکھایا ہے، اور ہمارے خیال میں یوں ناسمجھی میں اس نے ہم کو علم وحکمت کے کوہِ گراں کے طور پر پیش کیا ہے)

هم لعلمٍ في فضاء
أو نماء أو رخاء

أو لتخطيط بدا فيمن هجمْ

هم لتحقيق الأماني

مجدنا الماضى انهدم

نحن في ساحات وهم

(وہ [ہمارے دشمن] یا تو خلاء کی سائنس میں مشغول ہیں یا ترقی کے کاموں میں لگے ہیں یا خوشحال ہیں یا اپنے دشمن کے خلاف حکمت عملی تیار کر رہے ہیں غرضیکہ وہ اپنی تمناؤں کو حقیقت کا جامہ پہنانے میں لگے ہوئے ہیں۔ جب کہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہماری عظمتِ رفتہ زمین بوس ہو چکی ہے اور ہم خواب وخیال کی وہمی وادیوں میں ہیں)

لا أرى إلا الغرمْ

سعينا حمق مريب بات فينا كالعلَمْ

لانري إلا خمولا

لانري إلا كسولا

أوجهولًا في صراخ

من بغيض دون جدوي

لانري إلا النهم

(خسارہ کے علاوہ اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ ہماری حماقت آمیز اور مشکوک کوششیں ہمارا اشعار بن چکی ہیں۔ یا تو کوئی بے نشان نظر آتا ہے یا کوئی کاہل، یا پھر ایسا نادان جو نفرت میں بے فائدہ چیخ رہا ہے ہر طرف لالچ اور خواہش پرستی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا)

أمتي باتت تعاني

كل أنواع التواني

رغم هذا يعتلي فينا الورمْ

نزعم التفكير والتدبير والدنيا ترانا

في خبال هكذا صرنا نعاني
عاتيات من صَمَمْ
أين أصحاب الذمم؟! أين ماض يحترم؟!
ضاع مجد في ربانا
كم نعاني من ألم؟!

(میری قوم ہر نوع کے پچھڑے پن کا شکار ہے اور اس کے باوجود بھی منہ پھلائے اکڑی بیٹھی ہے۔ ہم کو سوجھ بوجھ اور حسن تدبیر کا دعویٰ ہے اور دنیا ہم کو قعرِ مذلت میں دیکھ رہی اور اس طرح ہم سخت قسم کی بے توجہی کا شکار ہیں۔ وہ عہد و پیمان والے نہ جانے کہاں ہیں! ہمارا وہ پر شکوہ ماضی نہ جانے کیا ہوا! ہماری عظمت وشوکت ہمارے ہی ٹیلوں میں گم ہوگئی۔ ہائے! ہمارا یہ کرب!!)

"نـعـم نـعـم" (۳۴) بھی حقیقت پسندانہ نظم ہے جس میں بڑی طاقتوں اور ارباب حکم کی ہر صحیح غلط بات پر "جی حضور" کہنے کا جو منافقانہ اور قابل نفرت مزاج ان ممالک میں رائج ہوگیا ہے ایک عالم بے بسی میں اس پر چوٹ کی گئی ہے:

نعمٌ، نعمْ
نعمٌ ، نعمْ
نقولها، نكتبها بالدمْ
نعم، نعم يا سيدي، إلي الأبدْ
وهل لنا في قولها أو رفضها
منَ حيلة أويدْ؟
وهل هناك من أحدْ
يملك أن يقول: لا..
حتي الذي يقول لا... تكتبها نعم!

("جی ہاں! جی ہاں! بالکل! بالکل!"۔ اسے ہم نہ صرف زبان سے ادا کرتے ہیں، بلکہ اپنے خون سے اس کو تحریر بھی کرتے ہیں۔ سخت کرب کی حالت میں

ہم کو یہ الفاظ بولنے ہوتے ہیں۔ ''جی! آقا جی! ہمیشہ ہمیش''۔ اس کے کہنے یا نہ کہنے میں ہمارے پاس اختیار ہی کیا ہے!! کیوں کہ ہے کون جو ''جی'' کی جگہ ''جی نہیں'' کہنے کی سکت رکھتا ہو۔ حتی کہ جو شخص 'جی نہیں' کہتا ہے، لکھنے پر وہ بھی ''جی ہاں'' ہی لکھتا ہے۔

اس پورے ظالمانہ نظام مغربی کو درپردہ عالمی مسیحیت کی پوری تائید حاصل ہے۔ اسی موضوع پر 'لاتعتذر' (۳۵) آزاد نظم کی شکل میں ویٹیکن کے پاپائے اعظم پر راست اور تاریخی ثبوتوں کے ساتھ مدلل تنقید ہے جو ایک طرف تو عالم میں امن کے پیامبر بنے ہوئے ہیں اور اس پردہ میں اسلام و مسلم دشمنی کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ نظم میں جابجا اس تاریخی تعصب کے دلچسپ حوالہ بھی ہیں۔ نظم پاپائے مقدس کو نذر کی گئی ہے:

لاتعتذر!

أو هل يفيد الإعتذار إذا القلوب تحجّرت؟

وإذا العقول تبلّدت؟

وإذا الغشاوات السميكة أسدلت فوق

البصرْ؟!

لاتعتذر؟!

(پاپائے اعظم! آپ معذرت نہ کریں (اور سچ یہ ہے کہ) جب دل پتھر ہو چکے ہوں، عقلیں ماؤف ہو چکی ہوں، اور آنکھوں پر دبیز پردے پڑ چکے ہوں تو آپ کی معذرت کرے گی بھی کیا؟ آپ معذرت نہ کریں!)

هل أنت من أقنعت 'بطرس' أن ينادى

في الرعاع

وأقمت 'إربانا' خطيباً في السهول

وفي البقاع،

لِيُجيّش الفرسان.. والقطعان .. يدفعهم

إلي قتل البشرْ؟!

لاتعتذرْ!

(آپ وہی ہیں نا جس نے 'پطرس' کو جنگلی چرواہوں میں منادی کے لیے آمادہ کیا تھا اور 'اربان' کو کھڑا کیا تھا کہ تقریریں کر کے شہ سواروں اور گڈریوں کو انسانوں کے قتل عام کے لیے جوش دلائے۔ اب معذرت نہ کیجیے!)

ماكنت موجوداً وخيل أبيك تسبح في

دماء المسلمين.

وقداسة البابا يبارك جنده:

'يارحمة الرب إشملى من قد أتونا

بالدماء مخضبين!'

ماكنت من أعطي عهوداً بالأمانْ

وإذا به بعد التعهد قد غدر

لاتعتذرْ!

(آپ کا تو اس وقت وجود بھی نہیں تھا جس وقت آپ کے باوا کے گھوڑے مسلمانوں کے خون میں تیر رہے تھے اور پاپائے مقدس اپنی فوجوں کو یہ کہہ کر دعائیں دے رہے تھے کہ 'پروردگارِ عالم ان لوگوں کو جو خون میں رنگین ہو کر یہاں آئے ہیں اپنی آغوش رحمت میں سمیٹ لے' کیا تم وہی نہیں ہو کہ جس نے سلامتی کے معاہدہ کے بعد خیانت اور بدعہدی کی تھی؟ اب یہ معذرت کیسی؟)

ماكنت تقضي بالإبادة في ربوع الأندلسْ

ومحاكم التفتيش تأخذ بالظنون وبالنفَسْ،

وكتائب الإفناء في الخضراء لاتبقي حياة أو تذرْ.

لاتعتذرْ!

(تم ہی تو تھے جو سرزمین اندلس میں قتلِ عام کا فیصلہ سنا رہے تھے جب تفتیش کی عدالتیں محض گمان پر بلکہ صرف آہ بھرنے پر گرفت کر رہی تھیں اور موت کے لشکر اس مرغزار میں زندگی کا نام ونشان مٹائے دے رہے تھے پھر اب معذرت کیسی ؟!)

ماكنت تشهد 'تركة'' الرجل المريض'
بين الذئاب تقسمُ
وموائد المستعمرين.. كؤوسهم.. أفواههم
وأكفهم
باتت يلطخها الدمُ
قد أغرفوا طهر البلاد برجس فكرهم
القذرْ
لاتعتذرْ!

(کیا تمہارے سامنے کی بات نہیں ہے، سامراجیوں کی میزیں، ان کے جام، ان کے منھ اور ہاتھ سب خون میں لت پت تھے اور مردِ بیمار، کا ترکہ بھیڑیوں کے درمیان حصہ بخرہ کیا جا رہا تھا، انھوں نے اس سرزمین کے تقدس کو اپنی ناپاک فکر سے آلودہ بنا دیا تھا؟ پھر اب یہ معذرت کیسی؟

حتى وأنت تشاهد البلقان.. مأساة
الطفولة والنساء،
قد كنت مشغولًا بإرسال الذين "يكرزون"
كيما يعيدوا المسلمين إلي ""المحبة
والسماحة والإخاء"
أما المذابح والمجازر والفضائح.. فهي
من عمل القدر
لاتعتذرْ!

(یہاں تک کہ بچوں وعورتوں کے دردناک المیہ 'یوم بلقان' کو بھی تم 'انجیل'

تقسیم کرنے والوں کو بھیجنے میں مشغول تھے تاکہ وہ مسلمانوں کو ''محبت، رواداری اور بھائی چارگی'' کی طرف لوٹا کر لے آئیں۔ رہا وہ سب قتلِ عام کشت وخون اور شرمناک واقعات تو وہ 'مقدر' کے تحت تھا۔ نہ کرو اب معذرت!)

فالكل عنك، من القيادات 'الأبية' يعتذر
قد برّأوا أسلافك الأفرنج من كل العيوب
في رأسهم هم ماغزوا واستعمروا إلا
"لتنوير الشعوب"
ولأجل أن ننسى تماماً كل ماضينا "المعيب"!
واستنفروا غلمانهم ليقدموا لهم البديل،
سماً زعافاً فيه مسخ للبشرْ
لاتعتذرْ!

(یہ ساری غیرت مند قیادتیں تمہاری طرف سے معذرت پیش کر رہی ہیں۔ تمہارے افرنجی اسلاف کو انھوں نے تمام کرتوتوں سے یہ کہہ کر بری الذمہ کردیا کہ ان کے سارے حملہ اور سامراجی قبضہ قوموں کو نئی روشنی سے منور کرنے کے لیے اور اس لیے تھے کہ ہم اپنے 'داغدار' ماضی کو یکسر بھلادیں۔ انھوں نے ان قوموں کے نوجوانوں کو دعوت دے کر اس لیے بھرتی کیا تھا تاکہ ان کے سامنے 'بہترین نعم البدل' پیش کریں، ایک انسانیت سوز زہر ہلاہل! اب تم معذرت کرکے کیا کروگے؟)

قد يستطيل بك المقام لكي ترى من يعتذرْ
عن مجد 'حطين' وأمجاد الخميس المنتصرْ
عن كل فتح نير أهدى السلام إلى
الشعوب الحائرة
لكننا سننتظر
فمواكب التدجين والتدجيل في أرض
الهلال ستندثر

ولسوف تنهض أمة الإسلام من بعد الرقود
وتعيد مجد الحق يعلو كل يوم في
صعود
فلتنتظر... ولننتظر!
ولسوف تأتي يومها ... كي تعتذر!

(تم کو شاید اس شخص کا انتظار ایک طویل عرصہ لگے گا جو حطین اور خمیس ظفریاب کی عظمت کی طرف سے اور ہر اس درخشنداں فتح کی جانب سے معذرت پیش کرے جس نے حیرت زدہ قوموں کو امن کا ہدیہ نذر کیا تھا۔ لیکن ہم ایسے شخص کا انتظار کرتے رہیں گے۔ کہ وہ وقت دور نہیں جب سرزمینِ ہلال سے دجل وفریب کے یہ قافلے تتر بتر ہوں گے اور امتِ اسلام اپنی گہری نیند سے بیدار ہوکر حق کو اس کی عزت واپس دلوائے گی اور دلواتی چلی جائے گی۔ انتظار تم بھی کرو۔ انتظار ہم بھی کرتے ہیں۔ جلد ہی اس کا بھی وہ دن آئے گا جب تمہاری بجائے معذرت کرنے والی یہ امت ہوگی!!)

نائن الیون کو امریکہ کے ٹریڈ ٹاور کے منہدم ہونے کے بعد سارے عالم میں ایک ایسا بھونچال سا آگیا جس کی لپیٹ میں سارا عالم اسلام اور خاص طور سے عربوں کا دیندار طبقہ بری طرح آیا ہے۔ اس واقعہ کے بعد افغانستان میں عرب مجاہدین پر جس طرح بیک زبان اور باتفاق رائے لیکن بغیر کسی ثبوت کے عرصہ حیات تنگ کیا گیا ہے اور کسی کی جرأت نہیں ہے کہ اس کے خلاف سوائے تائید کے کوئی لفظ زبان سے نکال سکے 'النسر والعصفور' (٣٦) نام کی آزاد نظم کا موضوع یہی ہے۔ موقع کی نزاکت سے علامت نگاری کی ٹکنیک کا خوبصورت استعمال کر کے شاعر نے کچھ نہ کہہ کر بھی بہت کچھ کہہ دیا ہے۔ فنی اعتبار سے شاعر نے تہہ دار علامتوں کو جس فنکارانہ چابکدستی سے برتا ہے وہ واقعی اپنی مثال آپ ہے۔ نظم میں استعمال ہونے والی بعض علامتوں کو اور جن کرداروں کے حوالہ سے ان علامتوں کو استعمال کیا گیا ہے ان کے اور علامتوں کے درمیان کے قرائن کو سمجھنا ضروری ہے تبھی اس کا صحیح لطف لیا جا سکتا ہے۔ 'أعشاش

النسر' یعنی گدھ کے گھونسلوں سے مراد ٹریڈ ٹاور ہیں جو گدھ کے گھونسلہ کی طرح نہایت بلند ہونے کے باوجود ایک پست اور نہایت کریہہ مردار خور (سود خور) جانور گدھ کی طرف منسوب ہے۔ 'البومه' یا الو کی علامت یا تو اسرائیل کے لیے استعمال کی گئی ہے یا برطانیہ کے لیے۔ 'عصفور الدوح' یا نخلستان کی چڑیا اس بھولی بھالی شخصیت کے لیے استعمال کیا گیا ہے جس کا تعلق کسی صحراوی نخلستان سے ہے، والعاقل تکفیه الإشارہ۔ الغربان، یا کوؤں سے مراد وہ سیانے حکام ہیں جو اس موقف میں ہر طرح سے سپر پاور کے ہمنوا تھے۔ اب نظم ملاحظہ ہو:

من حطم أعشاش النسرِ؟
لا أ حدٌ في ا لغابة يدري
وطيور الغابه فى خوف
والصمت يخيمّ في صمتٍ
والهمس هنا
ممنوع من وقت الإصباح إلي الفجر

(گدھ کے گھونسلے کس نے ڈھادیئے؟ جنگل میں کسی کو پتہ نہیں۔ جنگل کے پرندے سراسیمہ ہیں۔ تہہ در تہہ خاموشی نے اپنے خیمے گاڑ رکھے ہیں اور صبح سے صبح تک (چوبیس گھنٹے) سرگوشی پر یہاں پابندی ہے)

من حطم أعشاش النسر؟
أخبار في الغابة تسري
والبومة تنعق صارخة:
عصفور الدوح هو الجاني
فبلا بلها
دوماً نسمعها تتهامسُ
تأتمر علي قتل النسر

(گدھ کے گھونسلے کس نے ڈھادیئے؟ جنگل میں بہت سی خبریں گشت کررہی ہیں۔ اور الوگلا پھاڑ پھاڑ چلا رہا ہے کہ: نخلستان کی چڑیا ہی اصل مجرم ہے۔ کیوں کہ اس کی بلبلوں کو ہم ہمیشہ گدھ کے قتل کی سازش کی سرگوشیاں کرتے سنا کرتے ہیں)

عصفور الدوح رأي الأنقاض
فحلَّق مبتعداً فرِقا
أفراخ النسر رأته يحلق في فزعٍ
فدنت من مخبأ والدها
يبكي هيبته المنهارة
همست في صوت يتهدجْ:
البومة قد قالت صدقاً

(نخلستان کی چڑیا نے ملبہ کا ڈھیر دیکھا تو بیچاری ڈری سہمی اڑ کر دور دور چکر لگانے لگی، گدھ کے بچوں نے اس کو یوں گھبرا کر فضا میں چکر لگاتے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے ابا کے شکستہ جاہ وجلال کو روتے ہوئے اس کی کمین گاہ کے نزدیک آگئے اور بھرائی ہوئی آواز میں کانا پھوسی کرنے لگے کہ: الوٹھیک کہہ رہا ہے)

إن العصفور هو الجاني
قد شوهد فرحانا جَذلا
وبلابله طربت معه
وتهنئه
تشدو بأرق الألحان

(مجرم چڑیا ہی ہے۔ اسے بہت خوش خوش دیکھا گیا ہے۔ اور اس کی بلبلیں بھی اس کے ساتھ خوشیاں منا رہی تھیں اور بڑے سریلے گیت گا گا کر اس کو مبارک باد دے رہی تھیں۔)

سارے معاملہ میں پیچ وتاب کھاتے ہوئے مجبور مشہور شاعر کا اپنا موقف

. صرف نیچے کی دو لائنوں میں سامنے آتا ہے اور بات پھر آگے بڑھ جاتی ہے۔

ماأكذب أفراخ النسر
عصفور الدوح هو الجاني ؟!!
(کتنے جھوٹے ہیں گدھ کے بچے! مجرم چڑیا ہے؟!)
النسر يصدق أفراخه:
البومة دوماً صادقة
كم نصحتني:
أن بلابلنا أشرار
فلنتخلص منهم أبداً
لتعيش الغابة بأمانٍ
(گدھ اپنے بچوں کی تصدیق کرتا ہے: الو ہمیشہ سچ ہی کہتا ہے۔ اس نے کتنی بار مجھے نصیحت کی تھی کہ ہماری یہ بلبلیں بڑی شری ہیں ہمیں ان سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہیے تاکہ پورا جنگل سلامتی سے رہے!)
وتجمّع كل الغربان
القاصي منهم والداني
وبدا كل غراب منهم ينعب فيُصم الآذانا:
الموت لعصفور الدوحِ
(کوے سارے کے سارے اکٹھے ہو گئے۔ دور کے بھی اور قریب کے بھی۔ اور سب کوے ایسے زور زور سے کائیں کائیں کر کے نخلستان کی چڑیا مردہ باد، کے نعرے لگانے لگے کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔)
سمع الأطيار نعيق البومِ
فطارت تستمع الخبرا
قلبت ا لأمر لتفهمه:

كيف لعصور يتجرأ
ليهدم أعشاش النسر؟
من أين له تلك القوة
ليواجه منفرداً نسراً؟!

(پرندوں نے بھی الو کی کر کر سنی، سب اڑ اڑ کر آ کر معلوم کرنے لگے کہ معاملہ کیا ہے؟ معاملہ کو سمجھنے کے لیے الٹ پلٹ کر اس پر غور کرنے لگے: ایک چڑیا کی بھلا یہ ہمت کیسے ہوئی کہ وہ گدھ کے گھونسلوں کو ڈھادے۔اس کے پاس یہ طاقت آئی کہاں سے کہ وہ تن تنہا ایک گدھ سے مقابلہ کرے)

هو لغزٌ لسنا نفهمه
فليفهمه أهل العقلِ
وأولو الأمرِ
من كل غرابٍ أو نسرِ
أما نحن
فلنبق جميعا نتعاون
لننال رضاء أولي الأمرِ

(یہ ایک ایسا معمہ ہے جو ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ خیر ہوگا! اب اسے کوؤں اور گدھ جیسے اہل خرد اور اولی الامر ہی جانیں۔ ہم کو تو ہمیشہ تعاون ہی کرنا ہے تاکہ ہم 'اولی الامر' کی خوشنودی حاصل کرسکیں۔)

عراق پر الائڈ فورسز کے حملہ کے بعد عرب دنیا میں حالات نے ایک بالکل نیا موڑ لیا ہے۔ حاکم پارٹی اور فوجی سربراہ کی شکست شرمناک بھی تھی اور عبرتناک بھی۔ 'فی رثاء المهيب' (۳۷) کا موضوع یہی ہے۔قصیدہ کا اسلوب قدیم کلاسیکی ہے اور انداز طنز آمیز۔قصیدہ کے ساتھ ایک فوٹو ہے جس میں سالہا سال تک عراق میں طاقت کے سہارے حکومت کرنے والے فوجی فرمانروا کے بہت بڑے مجسمہ کو سقوط بغداد کے

. بعد بہت سے نوجوان اکھاڑ کر فاتحانہ انداز میں سرنگوں کرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ نظم کے کچھ اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

أي الفواجع بعد اليوم يبكيكا

فليبك شعرك إن جفت مآقيكا

(آج کے بعد اور کون سی مصیبت ہوگی جو تجھ کو رلائے گی۔ اگر تیری آنکھوں کے سوتے خشک ہو گئے ہیں تو تیری نظم کو چاہیے کہ وہ آنسو بہائے)

فليبك شعرك وليزج العزاء إلي

أشاوس العرب صيداً أو صعاليكا

(تمہاری نظم کو چاہیے کہ وہ آنسو بہائے اور عربوں کے بڑے اور چھوٹے سارے حکام کو تعزیت پیش کرے)

لهفي عليك 'امير المؤمنين' وقد

نعي المآتم والأهوال ناعيكا

(اے امیر المؤمنین مجھے تیرے اوپر کتنا غم ہے جب کہ تیری موت کی خبر دینے والا غموں اور مصائب کی خبریں سنا رہا ہے)

ولم يشيعك أعوان ولاحرسٌ

وماسوي البوم والغربان يبكيكا

(ماتحتوں اور محافظین میں سے کوئی تیرے جنازے کے ساتھ نہیں تھا اور نہ ہی الو اور کوؤں کے علاوہ کوئی اور تجھ پر رونے والا تھا)

ولم يشيعك للمثوى الأُخير سوى

'أعمال بروتقوي في مساعيكا

(آخری ٹھکانے تک تیرے ساتھ تیری تگ ودو کے 'اعمال بروتقوی' کے علاوہ کچھ بھی نہیں گیا)

والله يجزيك عن عدل وعن كرم

ساويت أهل المعالي والصعاليكا

(اللہ تجھے اس "عدل واحسان" کا بدلہ دے کہ تو نے اہل فضل اور لفنگوں کو برابر کر دیا۔)

واللـه يـجزيك مـا أن اليتيم ومـا
نـاحـت أرامـل أو ثـكـلـي بـواديكا

(اللہ تجھے اس وقت تک جزا دیتا رہے جب تک یتیم یا بیوائیں یا کوئی دکھیاری ماں تیری وادی میں آہ وفغاں کرتی رہے)

واليوم ها أنت تلقى سوء ما اقترفت
يـداك مـن خـزيهـا تبت آيـاديكـا

(لے آج ان کرتوتوں کا بدلہ چکھ لے جن کی رسوائی سے تیرے ہاتھ ٹوٹ رہے ہیں۔)

اور ٹیپ کا بند یہ آخری شعر ہے:

اليـوم كـل تشـفـي مـنك ليـت
طغاة العرب اعتبروا من غدر أمريكا

(آج سب کے سینوں میں ٹھنڈک پڑی ہے۔ کاش عرب کے جابر حکمراں امریکہ کی غداری سے عبرت پکڑتے!)

معاصر عربی شاعری کے جدید رجحانات میں سے جس رجحان کی اس ناچیز کتیب میں نشاندہی کی گئی ہے وہ دو حیثیتوں سے عالمی ہے، ایک تو موضوعات کی حیثیت سے جیسا کہ اشارہ کیا گیا۔ دوسرے اس حیثیت سے بھی کہ اس رجحان سے متاثر ہو کر دادِ سخن دینے والے شعرا کا تعلق دنیا کے مختلف عرب اور غیر عرب مما لک سے ہے۔ رجحان اپنے آپ میں کس حد تک حق بجانب ہے اور مستقبل میں کیا رخ اختیار کرے گا یہ اس وقت موضوع بحث نہیں تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات صاف نظر آرہے ہیں اور پچھلے چند برسوں میں یہ معاصر عربی شاعری کے ایک منفرد اور بہت بلکہ شاید سب سے طاقت ور رجحان کی حیثیت سے ضرور ابھرا ہے۔

المصادر والمراجع

١. محمدعبدالحميد توفيق: المجتمع العدد ١٥٨٤، ٢٠٠٤/١/١م

٢. محمد الأمين محمد الهادي: 'طال النوى'، المجتمع العدد ٧٥ ١٣-١١/٩٩

٣. حفيظ بن عجب آل حفيظ الدوسرى: 'الأقصي يتعرض للهدم'، المجتمع العدد ١٣٧٠، ٩٩/١٠/٥م

٤. عبدالله خلف: 'هي القدس'، المجتمع العدد ١٥٤٥، ٢٠٠٣/٤/٥م

٥. محمدعبدالجواد: 'حكاية من خليل'، المجتمع العدد ٢ ٤ ١٣-١٦/٣/٩٩م، ٢٨ذى العقده، ١٤١٩ه

٦. مروان قدرى: 'قصة شهيد'، المجتمع العدد ١٥٣٦ــ ٢٠٠٣/١/٢٥م

٧. رائد محمد رفيق المسهورى: 'حانوت اسرائيل' المجتمع العدد ١١٣٣٨

٨. عيسى بن على جرابا: 'حلوى السلام'، المجتمع العدد ١٣٧٨- ١٩٩٩/١١/٣٠م

٩. شريف قاسم: 'قضية القدس'، المجتمع العدد ١٣٧٧، نوفمبر ١٩٩٩م

١٠. د. عدنان على رضا محمد النحوى: 'القدس فى خطر'، المجتمع العدد ١٤٠٥ - يونيو ٢٠٠٠م

١١. محمد ابوديه: 'وصية شهيد عربي'، المجتمع العدد ١٩٧٢، اكتوبر ٢٠٠٣م

١٢. عبدالرحمن فرحانة 'اسرائيل.. الفاره العجوز'، المجتمع العدد ١٤١٩، مايو ١٩٩٨م

١٣. سعد خضر: 'قطع من قلبي'، المجتمع العدد١٣٦٩، سبتمبر ١٩٩٩م
١٤. أحمد حسبو: 'إعتذار القوافي للضيف الموافي'، المجتمع العدد ١٣٨٠، ديسمبر ١٩٩٩م
١٥. محمدابوديه: 'القدس والشيشان'، المجتمع العدد ١٣٨٣، أبريل ٢٠٠٠م
١٦. عبدالرحمن صالح العشاوى: 'لاتلمني'، المجتمع العدد ١٤٢٠، فبراير ٢٠٠٠م
١٧. محمدابوديه: 'إخوان سالم'، المجتمع العدد ١٤٢٠، فبراير ٢٠٠٠م
١٨. بدربن ناصر العواد: 'هموم شيشانيه'، المجتمع العدد ١٣٩٥، أبريل ٢٠٠٠م
١٩. وليد بن صالح العزيز: 'مسرح الهلاك'، المجتمع العدد ١٤٠٦، يونيو ٢٠٠٠م
٢٠. علاء الدين العرابى: 'كوسوفا ـ جراح جديدة'، المجتمع العدد ١٣٤٨، ٤/مايو ١٩٩٩م
٢١. على دخيل العودة: 'آهات في زمن التيه'، المجتمع العدد ١٣٤٨، ٤/مايو١٩٩٩م
٢٢. إبراهيم فهدالمشيقح: 'طفلة البانية'، المجتمع العدد ١٣٤٨، ٤/مايو١٩٩٩م
٢٣. محمد أبوديه: 'صوروتعليق'، المجتمع العدد ١٣٤٨، ٤/مايو١٩٩٩م
٢٤. عيسىٰ بن على جرابا: 'صرخة كوسوفا، من يسمعها'، المجتمع العدد ١٣٥٠، ١٨/مايو١٩٩٩م
٢٥. على بن جبرئيل بن أمين: 'عبرة... على أطلال كوسوفا'، المجتمع العدد ١٣٥٠، مايو١٩٩٩م

٢٦. أحمد محمد الصديق: 'صرخة كوسوفا'، المجتمع العدد ١٣٤٨، مايو ١٩٩٩م

٢٧. أحمد حسبو: 'دمعة حيرى فى عين خجلى'، المجتمع العدد ١٣٤٨، مايو ١٩٩٩م

٢٨. سعد خضر: 'حوار فى خضم المأساة'، المجتمع العدد ١٣٤٨، مايو ١٩٩٩م

٢٩. محمدعبدالجواد: 'لوحة عار!'، المجتمع العدد ١٣٤٨، مايو ١٩٩٩م

٣٠. ياسر محمدجاكتا: 'على رسلكم صحبى'، المجتمع العدد ١٣٥٠، مايو ١٩٩٩م

٣١. جمعه العلوى: 'ذاهب لتأدية واجبى... حوار فى بيت الطيب اردوغان'، المجتمع العدد ١٤٣٠، مايو ١٩٩٩م

٣٢. إبراهيم فهد المشيقح: 'ورسالة من يحيى عياش'، المجتمع العدد ١٣٧٠، اكتوبر ١٩٩٩م

٣٣. محمدعبدالسلام الباشا: 'نشرة الأخبار'، المجتمع العدد ١٤٠١، مايو ٢٠٠٠م

٣٤. زكريا حمصى: 'نعم نعم'، المجتمع العدد ١٣٥٠، مايو ١٩٩٩م

٣٥. محمداسامه أحمد حسين: 'لاتعتذر'، المجتمع العدد ١٣٩٩، مايو ٢٠٠٠م

٣٦. محمداسامه أحمد حسين: 'النسر والعصفور'، المجتمع العدد ١٤٧٩، مايو ديسمبر ٢٠٠١م

٣٧. عبدالعزيز الصالح: 'فى رثاء المهيب'، المجتمع العدد ١٥٤٧، أبريل ٢٠٠٣م